مطالعہ علوم اسلامیہ
اردو ترجمہ
كتاب الصرف والكفالة والحوالة
من الهداية
تصدرها:
المكتبة العلمية
للطباعة والنشر والتوزيع
١٥- لیک روڈ، لاہور
مغربی پاکستان

اُردو ترجمہ

من الهداية

پروفیسر غازی احمد

ایم اے (عربی، گولڈ میڈلسٹ)

ایم اے (علوم اسلامیہ، گولڈ میڈلسٹ)

ایم، او، ایل، بی، ایڈ

مولوی فاضل (میڈلسٹ)

منشی فاضل۔ فاضل درس نظامی

۱۵۔ شارع مدرسۃ البنات، لاہور

پاکستان

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالےٰ کے ان گنت احسانات کا شکر۔ کیسے اور کیوں کر ادا ہو سکے، کہ اس نے مجھ جیسے کم مایہ، بے سواد اور اسلام میں نووارد شخص کو ایک ایسی عظیم کتاب کے ترجمہ کی توفیق عطا کی۔ جو میدانِ فقہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اور آج تک جس کے پایہ کی کوئی کتاب علمِ فقہ میں منصۂ شہود پر نہیں آئی۔

الحمداللہ! ہدایہ کی جلد اوّل اور دوم کے ترجمہ سے فراغت میسر آئی اور اب اللہ تعالیٰ کے مقدس و برتر نام کے ساتھ جلد ثالث و رابع کا افتتاح ہو رہا ہے۔ ان دو جلدوں میں ہمارے روزمرہ کے معمولات اور معاملات کے مسائل ہیں، جن کا جاننا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ نیز ہماری موجودہ حکومت بتوفیقِ ایزدی اسلامی نظام کے لیے کوشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے امید واثق ہے کہ وہ ہمارے ملک کو جلد ہی اسلامی نظام کے نفاذ سے متمتع فرمائے گی۔

ابتدائی اقدام کے طور پر ملک کی عدالتِ عظمیٰ کو ہدایات جاری کر دی گئی ہیں کہ وہ خلافِ شرع قوانین میں تبدیل کر کے انہیں شرعی سانچے میں ڈھالے تاکہ کوئی قانون شرع کی روح سے متصادم نہ ہو۔ اس سلسلے میں ہمارے ملک میں

ہدایہ کی اہمیت بڑھ جائے گی۔ شرعی حدود و تعزیرات کے اجراء کے لیے یہ کتاب روشنی کا مینار ثابت ہوگی۔

ہدایہ اولین کے مختلف ابواب کو کتابی شکل میں طبع کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق جو حصہ چاہے خرید سکے۔ جلد ثالث اور رابع کے لیے بھی یہی طریق اپنایا گیا ہے۔

اشاعت کے سلسلے میں جناب عبید الحق صاحب ندوی مدیر "المکتبۃ العلمیہ" ۱۵۔ لیک روڈ، لاہور۔ ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے ذاتی علمی ذوق کے تحت ہدایہ جلد اوّل اور دوم کے ترجمہ کی دس کتابوں کی طباعت میں اشاعت کا ایک نیا معیار قائم کیا ہے۔

ترجمہ کے دوران میں نے درج ذیل کتب سے پورا پورا استفادہ کیا ہے مرحوم مصنفین کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت اور بے پایاں انعامات سے نوازے، اور زندہ حضرات کو اپنے لطف و کرم سے مستفیض فرمائے۔ "فتح القدیر"، "عینی"، "نہایہ"، "عین الہدایہ" اور "سراج الہدایہ"۔

استاذ مکرم جناب قاضی شمس الدین صاحب متوطن گوجرانوالہ کے ارشادات عالیہ جو میں نے تعلیم کے دوران تحریر کیے تھے، قدم قدم پر راہنمائی کرتے رہے۔ اس ضمن میں مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی احسان کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاس گزاری کے مترادف ہوگا کہ ان کے حاشیۂ ہدایہ کے بغیر قدم قدم پر رکاوٹ پیش آتی۔

آخر میں، میں اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرتا ہوں اور قارئین

کرام سے گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری کوتاہیوں اور فروگزاشتوں سے مطلع فرما دیں۔ تاکہ ان حضرات کی ہدایات کی روشنی میں اصلاح کا راستہ اختیار کر سکوں۔

غازی احمد پرنسپل
گورنمنٹ کالج، للہ چھال کلاں
ضلع جہلم

کتابُ الصَّرف

(بیع صَرف کا بیان)

مسئلہ :۔ امام قدوریؒ نے فرمایا : صَرف بیع کی وہ قسم ہے جس میں دونوں عوض ثمن کی جنس سے ہوں (جیسے سونا اور چاندی وغیرہ) اس بیع کو صَرف کا نام اس لیے دیا گیا کہ عوضین میں سے ہر ایک عوض کے لیے اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف منتقل کیا جائے۔

لغت میں صَرف نقل کرنے اور رَدّ کرنے کو کہتے ہیں یا صَرف اضافے کو بھی کہا جاتا ہے اور عقد کا مطلوب بھی اضافہ ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ سونے اور چاندی کی ذات سے توکسی قسم کا انتفاع نہیں ہوتا۔ (بلکہ یہ تو اسباب معیشت کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے انہیں ثمن یعنی قیمت کا نام دیا جاتا ہے۔) جناب خلیل امام لغت نے بھی صرف سے اضافہ مراد لیا ہے۔ اِسی بناء پر نفل عبادت کو صَرف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے (کیونکہ نوافل فرائض پر اضافہ ہوتے ہیں۔)

مسئلہ :۔ امام قدوریؒ نے فرمایا : اگر چاندی کے عوض چاندی اور سونے کے عوض سونا فروخت کرے تو بیع جائز نہ ہوگی تاوقتیکہ برابر برابر نہ ہوں اگرچہ وہ

کھرا ہونے کی وصف اور ڈھلائی میں مختلف ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سونے کو سونے کے بدلے بیع کر سکتے ہو بشرطیکہ ہر ایک دوسرے کے برابر ہو۔ وزن کے اعتبار سے اور ہاتھ در ہاتھ یعنی نقد ہو اور (کسی ایک جانب سے) زیادتی ربٰو ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کا عمدہ اور ردی برابر ہیں۔ اس کی پوری تفصیل ہم کتاب البیوع کے باب الربٰو میں بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ ۲۔ فرمایا کہ مجلس سے الگ ہونے سے پہلے پہلے عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ بیان کردہ حدیث کے پیش نظر اور حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اگر تجھ سے عقدِ صرف کرنے والا اتنی مہلت مانگے کہ وہ گھر میں جائے (اور پھر باہر آکر عوض ادا کرے) تو اس قدر مہلت بھی نہ دیا کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ عوضین میں سے ایک عوض کا قبضہ ضروری ہے تاکہ یہ عقد ادھار کے بدلے اُدھار نہ ہو۔ پھر دوسرے عوض پر قبضہ بھی ضروری ہے تاکہ مساواۃ کا تحقق ہو سکے اور ربٰو متحقق نہ ہو۔

تیسری بات یہ ہے (کہ مجلس میں عوضین پر قبضہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ دونوں عوضین میں سے کوئی ایک عوض بھی مقبوض ہونے کے لحاظ سے دوسرے سے اولیٰ اور مقدم نہیں لہذا دونوں پر قبضہ ایک ہی وقت میں واجب ہوگا۔ خواہ دونوں عوضین متعین اشیاء کے قبیل سے ہوں مثلاً ڈھالے گئے (برتن یا زیورات) یا متعین نہ ہوں جیسے ٹھپّہ لگے ہوئے سکّے یا ان میں ایک متعین ہو اور دوسرا متعین نہ ہو۔ کیوں کہ ہماری روایت کردہ حدیث مطلق ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں سے جو متعین خیال کیا جاتا ہے اس میں عدمِ تعیُّن کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ یہ عِوَض اپنی خلقت کے لحاظ سے ثمن ہے (اور ثمن معین نہیں ہوا کرتے) تو اس پر قبضہ کرنا شرط ہوگا۔ کیونکہ ربوٰ میں شبہ کا اعتبار بھی کیا جاتا ہے۔

مجلس سے افتراق کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں۔ حتیٰ کہ اگر دونوں مجلس سے اُٹھ کر ایک ہی طرف کو اکٹھے چل دیئے یا اُسی مجلس میں سو گئے یا اس مجلس میں ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی تو عقدِ صَرف باطل نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا قول ہے کہ اگر تیرا ساتھی چھت سے کود پڑے تو تو بھی ساتھ ہی کود جا (تاکہ افتراقِ مجلس لازم نہ آسکے) بیع صَرف میں بھی اسی افتراق کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ (یعنی جسمانی طور پر الگ ہونا افتراق ہوگا۔ مجلس سے صرف اُٹھ کھڑے ہونا افتراق نہ ہوگا۔) البتہ اس عورت کی صورت، جس کو اختیار دیا ہے اس سے مختلف ہے (یعنی عورت کو مرد نے اختیار دیا کہ اگر چاہو تو اپنے اوپر طلاق وارد کر لو یا چاہو تو زوج کو اختیار کر لو) کیونکہ اختیار اعراض سے باطل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر سونے کی بیع چاندی کے عوض کی تو اضافہ جائز ہوگا۔ کیونکہ اتحادِ جنس نہیں پایا جاتا۔ البتہ عوضین پر باہمی قبضہ اُسی مجلس میں ضروری ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سونے کی بیع چاندی کے بدلے بھی ربوٰ ہے اِلّا یہ کہ ہاتھوں ہاتھ لے اور دے یعنی نقد ادائیگی کرے۔

مسئلہ ۶۔ اگر متعاقدین بیع صرف میں عوضین پر قبضہ کرنے سے پہلے مجلس سے علیحدہ ہو جائیں تو عقد باطل قرار پائے گا۔ کیونکہ شرطِ صحت یعنی قبضہ معدوم ہے۔ اسی شرط کی وجہ سے عقدِ صرف میں خیار کی شرط عائد کرنا صحیح نہیں اور نہ مدت مقرر کرنے کی شرط درست ہے۔ کیوں کہ خیار کی شرط کی صورت میں قبضہ کا استحقاق باقی نہیں رہتا اور مدت مقرر کرنے کی صورت میں قبضہ کا استحقاق جاتا رہتا ہے۔ البتہ اگر خیار کی شرط کو اُسی مجلس میں ساقط کر دیا جائے تو عقد جواز کی طرف لوٹ آئے گا، کیوں کہ فساد کا ازالہ اس کے تحقُّق سے پہلے ہو گیا۔ امام زُفرؒ کو اس سے اختلاف ہے (وہ فرماتے ہیں کہ جس عقد میں فاسد شرط موجود ہو، ایسا عقد جواز کی طرف راجع نہیں ہو سکتا)

مسئلہ ۷۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ عقدِ صرف میں قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص نے دس درہموں کے عوض ایک دینار فروخت کیا، لیکن اس نے دس درہم اپنے قبضہ میں نہ لیے کہ ان سے ایک کپڑا خرید لیا تو کپڑے کی بیع فاسد ہو گی۔ کیونکہ عقدِ صرف کی بناء پر دراہم پر قبضہ ضروری تھا اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اگر کپڑے کی بیع کے جواز کا قول کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی لازم آتی ہے۔

ظاہراً تو یہ مناسب دکھائی دیتا تھا کہ کپڑے کا عقد جائز قرار دیا جائے جیسا کہ امام زُفرؒ سے منقول ہے۔ کیونکہ دراہم متعین نہیں ہوا کرتے تو عقد کو مطلق دراہم کی طرف راجع کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ عقدِ صرف میں ثمن کو مبیع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے کیوں کہ بیع میں مبیع کا ہونا ضروری

ہوتا ہے اور عقدِ صرف دونوں ثمنوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہوتا لہذا دونوں ثمنوں میں سے ہر ایک کو مبیع قرار دیا جائے گا کیونکہ دونوں میں سے صرف ایک کو مبیع بنانے کے لیے کوئی وجہِ ترجیح نہیں ہے اور مبیع کی بیع قبضے سے پہلے جائز نہیں ہوا کرتی۔ (سوال کیا گیا کہ بدل صرف کو جب آپ مبیع قرار دے رہے تو دراہم متعین ہو گئے۔ کیونکہ مبیع متعین ہوا کرتا ہے لیکن دراہم متعین نہیں ہوتے لہذا ان کو مبیع قرار دینا صحیح نہ رہا۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ) کسی چیز کے مبیع ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز متعین بھی ہو جیسا کہ عقدِ سلم میں مسلم فیہ (کیوں کہ مسلم فیہ غیر متعین ہونے کے باوجود مبیع ہوتا ہے۔

مسئلہ: سونے کی بیع چاندی کے عوض اندازے اور تخمینے سے جائز ہے۔ کیونکہ مختلف جنسوں میں مساوات شرط نہیں ہوا کرتی۔ لیکن اسی مجلس میں قبضہ شرط ہوتا ہے۔ اس امر کے عقلی اور نقلی دلائل ہم بیان کر چکے ہیں۔ ہاں اگر کسی چیز کی بیع اپنی ہی جنس کے ساتھ اندازے اور تخمینے سے کی جائے تو جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں ربوٰ کا احتمال پایا جاتا ہے۔

مسئلہ: امام قدوریؒ نے فرمایا: ایک شخص نے ایک ایسی لونڈی فروخت کی، جس کی قیمت چاندی کے ہزار مثقال ہیں اور اس کے گلے میں چاندی کا ایک ہار ہے جس کی قیمت چاندی کے ہزار مثقال ہیں۔ اس شخص نے اس جاریہ کو چاندی کے دو ہزار مثقالوں کے عوض فروخت کیا۔ اور مشتری نے ایک ہزار مثقال ثمن نقد ادا کیا اور مجلس سے علیحدہ ہو گئے۔ مشتری کا ادا کردہ

ایک ہزار چاندی کے ہار کی قیمت ہوگا، کیونکہ بدلِ صرف کی بنا پر ہار کے حصّہ پر قبضہ اُسی مجلس میں واجب ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ مشتری پر جو چیز واجب ہے اسی کی ادائیگی کر رہا ہے۔

اسی طرح جب جاریہ اور ہار دونوں کو دو ہزار مثقال کے عوض خریدا جن میں سے ایک ہزار اُدھار ہیں اور ایک ہزار نقد، تو نقد مثقال چاندی کی قیمت شمار ہوں گے۔ کیونکہ بیع صرف میں مدت مقرر کرنا باطل ہوتا ہے، اور بیع جاریہ میں جائز ہے۔ نیز عاقدین سے یہی امر متوقع ہے کہ وہ سودا جائز اور صحیح طریق کے مطابق سرانجام دیں گے۔

اسی طرح اگر کسی نے ایک تلوار، جس کا دستہ چاندی سے مرصّع ہے سو درہم میں فروخت کی اور جڑی ہوتی چاندی کی قیمت پچاس درہم مشتری نے پچاس درہم نقد ادا کیے تو بیع جائز ہوگی اور جو قیمت وصول کی گئی وہ چاندی کی قیمت ہوگی اگرچہ اس بات کی تصریح نہ کی جائے۔ اس کی دلیل ہم مذکورہ بالا سطور میں بیان کر چکے ہیں۔

اسی طرح اگر مشتری کہہ دے کہ یہ پچاس درہم دونوں کی قیمت کے طور پر وصول کر لو، تو بھی بیع جائز ہوگی اور پچاس درہم چاندی کی قیمت کے طور پر ادا ہوں گے) کیوں کہ بسا اوقات تثنیہ بول کر واحد مراد لیا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ" (دریائے شور اور شیریں دونوں سے موتی اور مرجان برآمد ہوتے ہیں) حالانکہ تثنیہ سے مراد صرف دریائے شور ہے، اس لیے ظاہرِ حال

کی رعایت کرتے ہوئے لفظ تثنیہ کا واحد پر اطلاق کیا جائے گا۔
اگر عاقدین نے اُسی مجلس میں عوضین پر قبضہ نہ کیا اور مجلس سے الگ ہو گئے تو مرصّع چاندی کے سلسلے میں عقد باطل ہو گا۔ کیوں کہ چاندی کی حد تک بیع صَرف ہے۔ اسی طرح تلوار کی بیع بھی باطل ہو گی جب کہ چاندی کو بغیر نقصان کے دستہ سے الگ نہ کیا جا سکے، کیونکہ نقصان برداشت کئے بغیر تلوار کا سپرد کرنا ممکن نہیں۔ اسی بناء پر تلوار کی علیحدہ بیع بھی جائز نہیں۔ (کیونکہ چاندی کو نقصان برداشت کئے بغیر جدا نہیں کیا جا سکتا) جیسے کہ چھت میں لگائے ہوئے شہتیر کی بیع درجائز نہیں کیوں کہ مکان کا نقصان کئے بغیر اُسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔)
اگر ضرر برداشت کئے بغیر چاندی کا الگ کرنا ممکن ہو تو تلوار کی بیع جائز ہو گی اور چاندی کی باطل۔ کیونکہ اس صورت میں تلوار کو علیحدہ فروخت کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ہار اور جاریہ کی صورت میں (کہ جاریہ کی بیع جائز ہو گی نہ ہار کی باطل)
یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب الگ چاندی اس چاندی سے زائد ہو جو دستے میں جڑی ہوئی ہے کیونکہ اگر اس کے مساوی ہوئی یا کم یا اس کی مقدار کا علم ہی نہ ہو تو بیع جائز نہ ہو گی۔ (مساوی اور کم ہونے کی صورتیں میں) ربوٰ کی وجہ سے یا مقدار معلوم نہ ہونے کی صورت میں احتمالِ ربوٰ کی بناء پر اس صورت میں صحتِ بیع کی صرف ایک وجہ ہے (کہ مساواۃ پائی جائے) لیکن فسادِ بیع کی دو وجہیں ہیں (یعنی کم ہو یا زیادہ ہو) لہذا جانبِ فساد کو ترجیح حاصل ہو گی۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے چاندی کا ایک برتن فروخت کیا بائع نے قیمت کا کچھ حصہ وصول کیا اور عاقدین مجلس سے الگ ہو گئے۔ تو اس حصے میں بیع باطل ہو گی جس کی قیمت وصول نہیں کی گئی اور جتنے حصے کی قیمت وصول کر لی ہے اس قدر حصے کی بیع جائز ہو گی اور برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہو گا، کیوں کہ یہ پورا سودا عقدِ صرف ہے۔ پس اس حصے کی بیع جائز ہو گی جس میں شرطِ قبضہ پائی گئی اور جس حصے میں شرط موجود نہیں بیع بھی باطل ہو گی۔ اور یہ فساد طاری ہے یعنی عقد کے بعد پیش آنے والا ہے اپنے اصل کے لحاظ سے عقد صحیح طور پر منعقد ہوا تھا۔ لیکن افتراقِ مجلس کی وجہ سے فساد طاری ہو گیا، لہذا یہ فساد پورے عقد میں شائع نہ ہو گا بلکہ قبضے کے حصے کے مطابق درست ہو گا۔)

اگر برتن کے کچھ حصے کا کوئی دوسرا حقدار نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہو گا کہ اگر چاہے تو برتن کا باقی حصہ قیمت دے کر خرید لے یا چاہے تو رد کر دے۔ کیونکہ شرکت برتن میں عیب شمار کی جاتی ہے۔

ایک شخص نے چاندی کا ایک ٹکڑا فروخت کیا۔ اس کے کچھ حصے کا کوئی دوسرا حقدار نکل آیا تو اُسے اپنے حصے کے مطابق لینا ہو گا۔ کیونکہ چاندی کے ٹکڑے کو کاٹ دینے میں کوئی عیب اور ضرر نہیں۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے دو درہم اور ایک دینار بعوض ایک درہم اور دو دینار فروخت کیے تو بیع جائز ہو گی اور ہر

جنس کو اپنی مخالف جنس کے بالمقابل قرار دیا جائے گا۔

امام زُفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع جائز نہ ہو گی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی اختلاف ہے جب ایک شخص گندم اور جَو کا ایک ایک کُر، دو کُر گندم اور ایک کُر جو کے عوض فروخت کرے (ہمارے نزدیک بیع جائز ہو گی۔ اور ان کے نزدیک ناجائز)

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ عقدِ صرف میں خلافِ جنس کی طرف پھیرنے میں اس کے تصرف کو متغیر کرنا لازم آتا ہے۔ کیونکہ عاقد نے مجموعے کو مجموعے کے مقابل قرار دیا تھا (یعنی دو دو درہموں اور ایک دینار کا مجموعہ دو دیناروں اور ایک درہم کے مجموعے کے مقابل تھا) اور مقابلے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک بدل کو برابری کے ساتھ اس کی جنس کے مقابلے میں تقسیم کیا جائے (اسی طرح کہ درہم درہم کے مقابل ہو اور دینار دینار کے مقابل، تو اس صورت میں کمی بیشی سے ربوٰ پایا جاتا ہے) نہ کہ تعیّن کے ساتھ ایک جنس کو دوسری جنس کے بالمقابل قرار دیا جائے اور عاقدین کے تصرف میں تغیُّر پیدا کرنا جائز نہیں ہوتا۔ خواہ اس تغیر سے ان کے تصرف کی تصحیح ہی پیش نظر ہو۔ (حاصلِ دلیل یہ ہے کہ عقد اس صورت میں صحیح ہوتا ہے جب کہ عاقدین کے تصرف کو اسی طرح باقی رکھا جائے اور عاقدین نے مجموعے کا مجموعے سے تقابل کیا ہو۔ اگر آپ تغیر کرتے ہوئے تعین کر دیتے ہیں کہ درہم دینار کے مقابل ہوں اور دینار درہم کے۔ تو اس تغیّر سے ان کا تصرف باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ تصرف کو متغیر کرنا جائز نہیں) جیسے کہ ایک شخص نے ایک کنگن دس درہم میں خریدا

اور ایک کپڑا بھی دس درہم میں خریدا ۔پھر اس شخص نے دونوں چیزوں کو کچھ نفع لے کر فروخت کر دیا تو جائز نہ ہوگا ۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ سارے کا سارا نفع کپڑے کی طرف راجع کر دیا جائے ۔ اور کہا جائے کہ کنگن قیمتِ خرید پر فروخت کیا گیا ہے ۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے ایک غلام ہزار درہم میں خریدا لیکن اس کی قیمت ادا کرنے سے پہلے مشتری نے اسی غلام کو ایک دوسرے غلام کے ساتھ بائع کے ہاتھ پندرہ سو درہم میں فروخت کر دیا تو مشتری کے ہزار درہم کے بدلے خرید کردہ غلام کی بیع جائز نہ ہوگی اگرچہ اس معاملہ کی تصحیح اس طرح ممکن ہے کہ ہزار درہم اسی غلام کی قیمت قرار دی جائے جو ایک ہزار میں خریدا گیا تھا ۔

اسی طرح جب ایک شخص اپنے غلام کے ساتھ کسی غیر کا غلام ملائے اور کہے کہ میں ان میں سے ایک تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں تو بیع جائز نہ ہوگی اگرچہ اس کی تصحیح اس طرح ممکن ہے کہ مبیع صرف اس کے اپنے غلام کو قرار دیا جائے ۔

اسی طرح جب ایک شخص نے ایک درہم اور ایک کپڑا ایک درہم اور ایک کپڑے کے عوض فروخت کیا اور عوضین پر قبضہ کیے بغیر عاقدین مجلس سے علیحدہ ہوگئے تو درہموں میں عقد فاسد ہو جائے گا ۔ اور درہم کو کپڑے کے مقابل قرار نہیں دیا جائے گا ۔ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں ۔

علماء احناف کی دلیل یہ ہے کہ جہاں مقابلہ مطلقہ ہو (یعنی جس میں وضاحت نہ کی گئی ہو کہ مجموعے کا مقابلہ مجموعہ سے ہے یا فرد کا فرد سے بلکہ دونوں عوضوں میں مطلقاً تقابل ہے) وہاں یہ احتمال ضرور

ہوتا ہے کہ فرد کا مقابلہ فرد سے ہو جیسے کہ جنس کا جنس سے تقابل کی صورت میں ہوتا ہے اور تصحیح عقد کے لیے یہ ایک متعین طریق ہے (یعنی مقابلہ فرد بالفرد والا طریق) لہذا تصحیحِ تصرف کے لیے اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس طریق سے صرف ایک وصف میں تغیر آتا ہے۔ اصل میں تغیر رونما نہیں ہوتا۔ کیوں کہ عقد کا مقتضیٰ اور اس کا مقصد بحالہ قائم وباقی رہتا ہے۔ اور وہ مجموعہ کو مجموعہ کے مقابل قرار دیتے ہوئے ملکیت کا ثبوت ہے اور یہ صورت ایسے ہوگی جیسے کوئی شخص اپنے حصے کا نصف غلام فروخت کر دے جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے تو یہ بیع صرف اُسی کے نصف کی جانب راجع ہوگی۔ تاکہ اُس کے تصرف کی تصحیح ہو سکے۔ بخلاف ان مسائل کے جو امام زُفرؒ اور امام شافعیؒ نے اپنے استدلال میں پیش کیے ہیں۔ مسئلہ مرابحہ میں نفع کو صرف کپڑے کی جانب راجع کرنا ممکن نہیں، کیوں کہ نفع کو کپڑے کی طرف راجع کرنے میں عقد مرابحہ کی صورت سے تبدیل ہو کر تولیہ بن جائے گا۔

دوسرے مسئلے میں طریق جواز غیر متعین ہے (بلکہ دیگر بھی کئی احتمال ہیں) کیوں کہ جس طرح ایک ہزار اس غلام کی طرف راجع کیا جا سکتا ہے۔ (جس قیمت پر وہ خریدا گیا تھا) اس سے زائد قیمت بھی اس کی طرف راجع ہو سکتی ہے (کہ قیمت کی ادائیگی سے پہلے یہ غلام بارہ سو کا فروخت کیا جا رہا ہے۔ اور دوسرا تین سو کا تو یہ صورت بھی ربا سے خالی نہیں۔ جیسے کہ خرید کردہ قیمت سے کم ہی بائع کے ہاتھ فروخت کرنے میں ربا پایا

جاتا ہے)۔

تیسرے مسئلہ میں اس نے بیع کو ایک نکرہ یعنی غیر متعین غلام کی طرف منسوب کیا ہے حالیکہ غیر معیّن غلام میں بیع کی محلیت نہیں پائی جاتی۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ غیر معیّن کو معیّن کے درجے میں شمار کر لیا جائے کیوں کہ تعیین اور عدم تعیین میں تضاد ہوتا ہے (اس لیے ایک دوسرے پر محمول نہیں کیا جا سکتا)۔

اور آخری مسئلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقد کا اصل کے لحاظ سے انعقاد صحیح تھا۔ اور فساد باعتبار بقاء کے طاری ہوا۔ اور ہماری بات ابتدائے عقد سے تعلق رکھتی ہے۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا: کہ کسی نے گیارہ درہم، دس درہم اور ایک دینار کے بدلے فروخت کئے تو بیع جائز ہوگی دس درہم تو دس درہم کے مقابلے میں شمار ہوں گے اور ایک دینار ایک درہم کے مقابل ہوگا۔ کیونکہ دراہم کی بیع میں برابری اور مساواۃ شرط ہے جیسا کہ ہم روایت کر چکے ہیں اور ظاہر یہی ہے کہ عاقد نے اسی بات کا ارادہ کیا ہوگا۔ اور ایک درہم دینار کے مقابل رہ گیا اور ان کی جنس الگ الگ ہے اور دو جنسوں میں تماثل اور مساواۃ شرط نہیں ہوتی۔

مسئلہ:۔ اگر عاقدین نے باہم چاندی کے بدلے چاندی کی یا سونے کے بدلے سونے کی بیع کی اور ان میں سے ایک عوض وزن کے لحاظ سے دوسرے سے کچھ کم ہے، لیکن اس کم مقدار والے عوض کے ساتھ ایک اور

چیز بھی ہے جو باقیماندہ مقدار کے بلحاظ قیمت برابر ہے تو بھی بیع جائز ہو گی،
لیکن کراہت کے ساتھ۔

اگر اس دوسری چیز کی بازار میں کوئی قیمت نہ ہو جیسے مٹی تو بیع جائز نہ
ہو گی کیونکہ ربوٰ متحقق ہو جاتا ہے اس لیے کہ زائد مقدار کے مقابلے
میں کوئی عوض نہیں ہے لہذا یہ زائد مقدار ربوٰ شمار ہو گی۔

اور جس شخص کے کسی دوسرے شخص پر دس درہم قرض ہوں۔ مقروض
نے قرضخواہ کے ہاتھ ایک دینار دس درہموں میں فروخت کیا اور دینار
قرضخواہ کے حوالے کر دیا اور دس درہم کے قرض کا ان دس دراہم سے
تبادلہ کر لیا تو جائز ہو گا۔

اس مسئلے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلقاً دس درہم کی بیع کرے (یعنی
یہ نہ کہے کہ دس درہم قرض کے بدلے بیع کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر قرض کے عوض
کرے تو بالاتفاق یہ بیع جائز ہو گی۔) جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس عقدِ مطلق سے
ایسا ثمن واجب ہو گا۔ جس کو قبضہ کے ساتھ معین کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ
ہم بیان کر چکے ہیں (کہ افتراق سے پہلے عوضین پر قبضہ ضروری ہوتا ہے
کیوں کہ درہم و دینار قبضہ کے بغیر متعین نہیں ہوتے، حالیکہ قرض اس صفت
سے موصوف نہیں ہوتا (یعنی قبضہ سے اس کا متعین کرنا ضروری نہیں ہوتا)
اس لیے محض بیع سے قرض اور ثمن کا باہم مبادلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں
کی جنس ایک نہیں ہے تو جب عاقدین نے باہمی رضامندی کے ساتھ دینار
کی قیمت کا قرض سے تبادلہ کر لیا تو اس سے اُس کی پہلی کی ہوئی بیع کا نتیجہ

فسخ کی صورت میں ظاہر ہوگا اور اس بات کو بھی متضمن ہوگا کہ اس ادائیگی کی نسبت قرض کی طرف کر دی جائے کیونکہ اگر عقدِ اوّل کو فسخ تسلیم نہ کیا جائے تو عقدِ صرف کے عوض کو قبضہ سے پہلے بدل لینا لازم آتا ہے (جو جائز نہیں) اور قرضِ سابق کی طرف نسبت کرنے میں مبادلہ یعنی قرض اور ثمنِ دینار کی دونوں طرف سے ادائیگی واقع ہوگی۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔

اور فسخِ بیع گاہے گاہے بطور اقتضاء بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عاقدین ایک ہزار پر معاملہ طے کریں اس کے بعد اس کا معاملہ ڈیڑھ ہزار پر طے کریں (تو یہ دوسرا عقد پہلے عقد کے فسخ کو متضمن ہوگا۔)

امام زفرؒ کو اس صورت میں ہم سے اختلاف ہے کیونکہ وہ اقتضاء کے قائل نہیں (کہ بطورِ اقتضاء پہلا عقد فسخ قرار دیا جائے۔)

یہ مذکورہ تفصیل (کہ عقدِ اوّل کو فسخ قرار دے کر قرض کی طرف منسوب کرنا) اس صورت میں ہے جب کہ قرض عقد سے سابق اور پہلے ہو اگر قرض لاحق ہو (یعنی دینار کے عقد کے بعد قرض کا معاملہ پیش آتے) تو دو روایتوں میں صحیح تر روایت کے مطابق یہی حکم ہے، کیونکہ یہ سابق عقدِ صَرف کے فسخ کو متضمن ہے اور جب عقد کو قرض کی طرف تبدیل کیا جا رہا ہے تو اس عقد کو ایسے عقد کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے جو قائم اور موجود ہے۔ (لہذا قرض لاحق میں بھی دینار کے قرض سے تبادلہ درست ہوگا۔) اور یہ بات جواز کے لیے کافی ہے (کہ صرف عقد ہی کو قرض کی طرف منسوب کرتے ہوئے قرض کی ادائیگی کا اعتبار کیا جائے)

مسئلہ:۔ فرمایا ایک کھرے اور دو کھوٹے درہموں کی بیع، دو کھرے

درہموں اور ایک کھوٹے درہم کے ساتھ جائز ہے۔ کھوٹے درہم سے وہ مراد ہے جسے خزانہ والے تو واپس کر دیں، مگر تاجر حضرات قبول کر لیں. اس بیع کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ عوضین کے وزن میں مساواۃ اور برابری متحقق ہوتی ہے اور اس قسم کے کھرے پن کا تفاوت تاجر حضرات کے عُرف میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ :۔ فرمایا جب دراہم میں چاندی غالب ہو تو یہ چاندی کے حکم میں داخل ہوں گے ۔ اور جب دنانیر میں سونا غالب ہو تو یہ سونے کے حکم میں داخل ہوں گے ۔ اور ان میں حرمتِ ربوٰ کا وہی معیار پیشِ نظر ہوتا ہے جو خالص سونے اور چاندی میں ہوتا ہے. حتّٰی کہ ان میں سے خالص کی بیع خالص کے بدلے جائز نہ ہوگی یا ان میں سے بعض کو بعض کے عوض فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ جب تک کہ دونوں وزن میں برابر نہ ہوں ۔

اسی طرح وزن کی برابری اور مساواۃ کے بغیر ان کھوٹ ملے دراہم ودنانیر کو بطورِ قرض لینا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ نقود عموماً تھوڑی بہت ملاوٹ سے خالی نہیں ہوتے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملاوٹ کے بغیر ان کا ڈھالنا بھی ممکن نہیں ہوتا. اور گاہے کھوٹ ان میں فطری طور پر ہوتا ہے ۔ جیسا کہ سونے اور چاندی کی ردی قسم میں ہوتا ہے ، تو قلیل کھوٹ کو اس کی قسم جو خلقۃً ردی ہے کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ عمدہ اور ردی سونا چاندی برابر ہوتا ہے ۔

اگر ان میں کھوٹ غالب ہے تو یہ دراہم ودنانیر کے حکم میں نہ ہوں

گے۔ کیونکہ جزء غالب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگر ایسے دراہم یا دنانیر سے خالص چاندی خریدی تو یہ ان صورتوں پر محمول ہوگی جو تلوار کے مرصّع دستے کے بارے میں بیان کی جا چکی ہیں۔

(یعنی اگر دستہ میں چاندی درہموں میں چاندی کی مقدار کے برابر ہے یا کم ہے یا اس کی صحیح مقدار معلوم نہیں تو بیع جائز نہ ہوگی اور دراہم میں چاندی کی مقدار موجود چاندی کی مقدار سے زیادہ ہے تو بیع جائز ہوگی۔)

اگر ان کھوٹے دراہم کو جن میں ملاوٹ غالب ہے اپنی جنس کے عوض اضافے سے فروخت کیا تو بیع جائز ہوگی کیونکہ ہر جنس کو اپنی خلاف جنس کی طرف راجع کریں گے۔ اس لیے کہ ان دراہم میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں، چاندی اور کانسی۔ چونکہ یہ بیع صرف ہے لہٰذا اسی مجلس میں عوضین پر قبضہ شرط ہوگا کیونکہ دونوں طرف چاندی موجود ہے۔ جب چاندی میں قبضہ شرط ہوگا تو کانسی میں بھی شرط ہوگا۔ کیونکہ کانسی کو دراہم سے بلا ضرر الگ کرنا ممکن نہیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ علماء ما وراء النہر نے دراہم عدلیہ اور عطارفہ میں اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ کیونکہ ہمارے علاقے میں یہ قیمتی مال ہیں اگر ان کی بیع تفاضل کی صورت میں بھی جائز قرار دی جائے تو سود کا دروازہ کھل جائے گا۔

یہ اَمر بھی مدِ نظر رہے کہ اگر دراہم و دنانیر میں وزن کا رواج ہے تو باہمی خرید و فروخت اور قرض کے لین دین میں بھی وزن کا اعتبار ہوگا۔

اور اگر شمار کرنے کا رواج ہے تو شمار کا اعتبار ہو گا۔

اگر وزن اور شمار دونوں مرّوج ہیں تو خرید و فروخت اور قرض دونوں میں سے ہر ایک کا اعتبار کیا جا سکتا ہے (عاقدین چاہیں تو وزن سے لین دین کریں یا شمار سے،) کیونکہ جب ایسے معاملات میں شرع کی طرف سے کوئی صریح حکم نہ ہو تو رواج ہی قابل قبول ہوتا ہے۔

یہ دراہم و دنانیر جب تک بطورِ سکّہ مرّوج ہیں تو متعین کرنے سے متعین نہ ہوں گے۔ اگر بطورِ سکّہ ان کا رواج باقی نہ رہے تو پھر ان کی حیثیت سامان کی سی ہو گی جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔ اگر ان کو بعض لوگ بطور سکّہ قبول کرتے ہوں اور بعض نہ کرتے ہوں تو یہ کھوٹے دراہم و دنانیر کی طرح ہوں گے۔ اور عقد بعینہٖ ان کے ساتھ متعلق نہ ہو گا بلکہ کھوٹے درہموں کی جنس سے متعلق ہو گا۔ بشرطیکہ بائع اس صورتِ حال سے واقف ہو (کہ کھوٹے دراہم پر عقد کیا جا رہا ہے) کیونکہ اس کی رضامندی پائی جاتی ہے۔

اگر بائع صورتِ حال سے آگاہ نہیں تو عقد کھرے دراہم کے ساتھ متعلق ہو گا۔ کیونکہ اس کی طرف سے کھوٹے دراہم پر رضامندی کا اظہار نہیں پایا گیا۔

اگر ان کھوٹے دراہم کے عوض کوئی سامان خریدا اور ان دراہم کا رواج جاتا رہا اور لوگوں نے ان کے ساتھ لین دین چھوڑ دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بیع کے دن ان کھوٹے درہموں کی جو قیمت تھی وہ خریدار پر واجب ہو گی۔

امام محمدؒ کا ارشاد ہے کہ جس آخری دن کو لوگوں نے ان کے ساتھ لین دین ترک کیا ہے اس دن ان کی جو قیمت تھی وہ واجب ہو گی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عقدِ مذکور صحیح تھا۔ البتہ ان دراہم کے متروک ہو جانے کی بناء پر ثمن کا ادا کرنا ممکن نہ رہا اور ثمن کی ادائیگی کی دشواری فسادِ عقد کی موجب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ تر و تازہ کھجوروں کے عوض کوئی چیز خریدی لیکن ادائیگی سے پہلے بازار میں تازہ کھجوروں کی آمد منقطع ہو گئی۔ (تو آئندہ سال کے موسم تک انتظار کرنا پڑے گا۔ یا اُسی وقت نقدی کی صورت میں قیمت ادا کی جائے گی۔) جب عقد باقی رہا تو مشتری پر قیمت واجب ہو گی۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع کے وقت کی قیمت واجب ہے۔ کیونکہ بیع کی وجہ سے ہی وہ قیمت کا ضامن ہوا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس دن کے حساب سے قیمت واجب ہو گی جس دن ان دراہم کا رواج ختم ہوا کیونکہ ان دراہم سے انتقال کر کے قیمت کی طرف رجوع کرنا اسی وقت واجب ہوا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اپنی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سکّے کے متروک ہو جانے سے ثمن باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ثمنیت کا دار و مدار آپس کی اصطلاح پر ہوتا ہے اور اصطلاح باقی نہ رہی لہٰذا بیع بلا ثمن باقی رہ گئی تو باطل ہو جائے گی۔ جب بیع باطل ہو گئی تو مشتری پر واجب ہو گا کہ اگر مبیع موجود ہے تو وہ واپس کر دے اور اگر تلف ہو چکا ہے تو اس کی

قیمت دے دے جیسا کہ بیع فاسد میں ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ فرمایا پیسوں کے عوض بھی بیع جائز ہے۔ کیونکہ پیسے مالِ معلوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر پیسے مُروَّج ہوں اور ان کا تعیُّن نہ کرے تب بھی جائز ہوگی۔ کیونکہ وہ باہمی اصطلاح کی بنا پر ثمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر پیسے متروک ہو چکے ہوں تو ان کے تعین کرنے کے بغیر بیع جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ سامان کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں لہٰذا ان کی تعیین ضروری ہوگی۔

مسئلہ:۔ اگر مروَّج پیسوں سے بیع کرے لیکن قبضہ سے پہلے ہی وہ متروک ہو گئے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیع باطل ہوگی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہوگی۔ اس اختلاف کی نظیر مذکورہ بالا سطور میں بیان کر دی گئی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر مروَّج پیسے بطورِ قرض لیے لیکن اُن کا استعمال متروک ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قرضدار پر ان کی مثل واپس کرنا واجب ہے کیونکہ قرض لینا ایک لحاظ سے عاریت ہے اور عاریت کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کو لیا اُسی کو معنوی اور شرعی طور پر واپس کرے اور ثمنیت کو قرض میں ایک وصفِ زائد کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے قرض ثمن کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا (بلکہ غلہ وغیرہ بھی قرض پر لیا جا سکتا ہے)

مذکورہ صورت میں صاحبینؒ کے نزدیک قیمت واجب ہوگی کیونکہ جب ثمنیت کی وصف باطل ہو گئی تو ان کا اس صورت میں جس میں قبضہ کیا تھا واپس کرنا متعذر ہو گیا۔ لہٰذا بطورِ قیمت واپسی ضروری ہوگی۔ جیسا کہ

کوئی شخص مثلی شے (تازہ کھجور وغیرہ) بطور قرض لے اور بازار میں اس کی آمد منقطع ہو جائے تو قیمت واجب ہوتی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قبضہ کے دن کی قیمت کا حساب ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک متروک ہونے کے دن کا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اصل اختلاف ایسے شخص کے بارے میں ہے کہ جس نے کوئی مثلی چیز غصب کی اور بازار میں اس کی آمد منقطع ہو گئی۔ امام محمدؒ کے قول میں جانبین کی رعایت مدِ نظر ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں آسانی اور سہولت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

مسئلہ:۔ فرمایا اگر کسی شخص نے کوئی چیز نصف درہم کے پیسوں پر خریدی تو جائز ہے اور مشتری پر اتنے پیسوں کی ادائیگی واجب ہوگی جو نصف درہم کے عوض فروخت کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر مشتری کہے کہ ایک دانق کے پیسوں پر یا ایک قیراط کے پیسوں پر خریدتا ہوں تو بھی جائز ہے (دانق درہم کے ۱/۶ حصے اور قیراط نصف دانق کے برابر ہوتا ہے)

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں بیع جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ مشتری کی خرید پیسوں کے بدلے ہوئی ہے اور پیسوں کا اعتبار شمار سے ہوتا ہے۔ دانق اور نصف درہم سے نہیں ہوتا۔ لہذا پیسوں کا عدد بیان کرنا ضروری ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ دانق اور نصف درہم کے جس قدر پیسے فروخت ہوتے ہیں ان کا لوگوں کو علم ہے اور مسئلے کی صورت یہی ہے۔ لہذا عدد کے بیان کی ضرورت نہ ہوگی۔

اگر مشتری نے کہا کہ ایک درہم یا دو درہم کے پیسوں پر تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع جائز ہوگی۔ کیونکہ ایک درہم کے جس قدر پیسے بکتے ہیں لوگوں کو علم ہے۔ اور یہاں یہی چیز مراد ہے نہ کہ پیسوں کا درہم سے وزن (کہ ایک درہم کے وزن کے برابر پیسے مراد ہوں۔)

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک درہم کے پیسوں پر بیع جائز نہیں البتہ درہم سے کم پیسوں پر جائز ہوگی۔ کیونکہ لوگوں کی عادت اور رواج یہ ہے کہ درہم سے کم پیسوں پر لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں تو اس چیز کا عادت کے حکم کی وجہ سے پتا چل گیا۔ (یعنی یہ بات عادت کی بنا پر معلوم و متعارف ہوگئی۔) لیکن ایک پورے درہم کے پیسے اس طرح عادت میں معلوم و متعارف نہیں۔

مشائخ ماوراء النہر کا کہنا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول صحت سے قریب تر ہے خصوصاً ہمارے بلاد اور علاقے میں۔

فرمایا: اگر کسی شخص نے صرّاف کو ایک درہم دیا اور کہا کہ اس درہم کے نصف کے پیسے دے دیں اور باقی نصف درہم کے بدلے نصف درہم چاندی ایک حبّہ کم دے دیں تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پیسوں میں بیع جائز ہوگی اور باقی میں باطل ہوگی کیوں کہ پیسوں کے بدلے نصف درہم کی بیع تو جائز ہے۔ لیکن نصف درہم کی بیع نصف درہم سے ایک حبّہ کم کے بدلے ربٰو ہے لہذا جائز نہ ہوگی۔

لیکن امام ابو حنیفہؒ کے قانون کے مطابق سارا معاملہ ہی باطل ہوگا (پیسوں میں بھی اور نصف درہم میں بھی) کیونکہ سودا ایک متحد اور واحد چیز ہے اور فساد

(یعنی ربوٰ کا پایا جانا) قوی ہے لہذا فساد پورے معاملہ میں اثر انداز ہوگا۔ بیع فاسد میں اس کی نظیر گزر چکی ہے۔ (کہ ایک غلام اور آزاد کو جمع کر کے ایک ہی سودا کیا۔ اگر ہر ایک کی قیمت الگ الگ نہ بیان کی ہو تو بالاتفاق عقد فاسد ہے۔ اگر ہر ایک کی قیمت الگ الگ بیان کر دی ہو تو صاحبین کے نزدیک فقط غلام میں بیع جائز ہو گی اور آزاد میں فاسد ہو گی۔ لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک پورا عقد فاسد ہے۔)

اگر اعطاء کے لفظ کو تکرار سے کہا (کہ نصف درہم کے بدلے پیسے دے دیں اور باقی نصف درہم کے بدلے نصف درہم چاندی ایک حبہ کم دے دیں) تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کا جواب بھی وہی ہو گا جو صاحبینؒ کے نزدیک ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ یہ دو بیع ہوں گی (اور ایک کا فساد دوسری میں مؤثر نہ ہوگا) اور اگر یوں کہا کہ مجھے نصف درہم کے پیسے اور نصف درہم کی چاندی ایک حبہ کم دے دیں تو بیع جائز ہو گی، کیونکہ خریدار نے ایک درہم کو نصف درہم کے پیسوں اور نصف درہم کی چاندی ایک حبہ کم مقدار کے مقابلے میں مجموعی طور پر رکھا۔ لہذا ایک حبہ کم نصف درہم تو ایک حبہ کم نصف درہم کے مقابل ہوگا اور درہم کی باقی مقدار پیسوں کے بالمقابل ہو گی۔ (اس صورت میں چاندی کی بیع چاندی کے عوض مساوی اور برابری کے ساتھ ہو گی۔ لہذا ربوٰ نہ پایا گیا۔ اور باقی چاندی کی بیع پیسوں کے مقابل ہو گی اور تفاوت چاندی اور پیسوں کے درمیان رہے گا۔ چونکہ وہ دو جنسیں ہیں لہذا ربوٰ کا تحقق نہ ہوا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری کے اکثر نسخوں میں صرف دوسرے

مسئلے کا ذکر موجود ہے (یعنی صَرّاف کے مسئلے کا ذکر نہیں۔ صرف وقال
اعطنی بنصفہٖ فلوساً الخ کا تذکرہ ہے۔)

كِتَابُ الْكِفَالَةِ

(کفالت کا بیان)

(کفیل، کفالت کرنے والا، مکفول لہٗ جس کے لیے کفالت کی جائے، مکفول بہٖ جس چیز کی کفالت کی جائے، مکفول عنہ۔ جس کی طرف سے کفالت کی جائے۔ مثلاً ا نے ب کی طرف سے ج کے لیے ہزار روپیہ کی کفالت کی تو ا کفیل، ب مکفول عنہ، ج مکفول لہٗ اور ہزار روپیہ مکفول بہٖ ہے)

امام قدوریؒ نے فرمایا۔ کفالت لغۃً میں ضم کرنے، جوڑنے اور ملانے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے " وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا " یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کی کفالت کی یعنی انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان کی تربیت کی ذمہ داری قبول کر لی۔

شرعی طور پر ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کی طرف از روئے مطالبہ ملا لینے کو کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کی طرف

بحیثیت قرض بلا لینے کو کہتے ہیں لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔ (کیونکہ کفالت جس طرح بالمال ہوتی ہے اسی طرح بالنفس بھی ہوتی ہے اور اس میں دین نہیں ہے۔)

مسئلہ :۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ کفالت کی دو قسمیں ہیں کفالت بالنفس اور کفالت بالمال۔ کفالت بالنفس جائز ہے اور اس سے اِس چیز کی کفالت ہوتی ہے کہ وہ مکفول عنہ کو حاضر کرے (یعنی اس میں یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ جس کی طرف سے کفالت کی ہے مطالبے پر اسے حاضر کر دے۔)

امام شافعیؒ عدم جواز کے قائل ہیں کیونکہ یہ کفالت ایک ایسی چیز کی ہے جس کو سپرد کرنے پر کفیل قادر نہیں ہوتا کیونکہ مکفول بہ کی ذات پر کسی دوسرے کو قدرت حاصل نہیں ہوتی بخلاف کفالت بالمال کے کیونکہ کفیل کو کم از کم اپنے ذاتی مال پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔

ہماری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے اَلزَّعِیْمُ غَارِمٌ کہ کفیل ضامن ہوتا ہے۔ اور اِس حدیث مطلق سے دونوں قسم کی کفالتوں کی مشروعیت کا پتا چلتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کفیل مکفول بہ کو صاحب حق کے حوالے کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اس طرح کہ صاحب حق کو مکفول بہ کا اَتا پَتا بتا دے (کہ اس وقت فلاں جگہ موجود ہے) اور صاحب حق کے لیے مکفول بہ سے مطالبہ کرنے کے راستے سے ہٹ جائے یا قاضی کے معاونین سے اس معاملے میں مدد طلب کرے اور حال یہ ہے کہ امور دنیوی میں کفالت بالنفس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور اس

میں کفالت کے معانی کا ثابت کرنا بھی ممکن ہے یعنی مطالبہ میں اپنا ذمہ ملا لینا۔

مسئلہ ۹۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کفالت بالنفس منعقد ہو جاتی ہے، جب کوئی شخص یوں کہے کہ میں فلاں کی ذات کا کفیل ہوں یا اس کے رقبہ یعنی گردن کا۔ یا اس کے روح کا یا اس کے جسم کا یا اس کے سر کا۔ اسی طرح اس کے بدن یا چہرے کا۔ کیونکہ یہ ایسے الفاظ ہیں جن سے پورے وجودِ انسانی کو تعبیر کیا جاتا ہے یا تو حقیقی طور پر یہ الفاظ اس معنی پر دلالت کرتے ہیں یا عرف میں یہ معنی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ کتاب الطلاق میں بیان کیا گیا ہے۔

اگر کفیل یوں کہے کہ میں اس کے نصف کی یا تہائی کی یا اس کے کسی جز کی کفالت کرتا ہوں تو ان الفاظ سے کفالت بالنفس صحیح ہوگی۔ کیونکہ وجودِ واحد کفالت میں تجزی اور تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا انسانی ذات کے کسی ایک جزو کا ذکر پوری ذات کا ذکر ہوگا۔

بخلاف اس کے جب کفیل یوں کہے کہ میں فلاں شخص کے ہاتھ یا پاؤں کا کفیل ہوں، (تو کفالت بالنفس صحیح نہ ہوگی) کیونکہ ان الفاظ سے پورے بدنِ انسانی کو تعبیر نہیں کیا جاتا حتیٰ کہ ہاتھ اور پاؤں کی طرف نسبتِ طلاق بھی صحیح نہیں ہوتی اور مذکورہ بالا الفاظ کی صورت میں صحیح ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر کفیل نے کہا کہ میں اس کی ضمانت دیتا ہوں (تو کفالت بالنفس صحیح ہوگی) کیونکہ اس میں موجب کفالت کی تصریح پائی جاتی ہے۔ یا کہا کہ وہ میرے ذمے ہے۔ کیونکہ لفظ "علیّ" التزام (یعنی اپنے اوپر لازم کرنے) کا صیغہ ہے یا کہا کہ وہ میری طرف ہے کیونکہ اِلَیَّ اس مقام میں عَلَیَّ کے معنوں میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال چھوڑ

کرمرے تو وہ مال اس کے ورثاء کے لیے ہے اور جو شخص یتیم یا نادار اہل و عیال چھوڑے، تو ان کی ذمہ داری مجھ پر ہے (حدیث میں اِلَیَّ کو عَلَیَّ کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے)۔

اسی طرح جب کہا کہ میں اس شخص کا زعیم (ضامن) یا قبیل (کفیل) ہوں۔ کیونکہ زعامت کا استعمال کفالت کے معنوں میں ہوتا ہے اس سلسلے میں ہم پہلے حدیث بیان کر چکے ہیں۔ قبیل اور کفیل ہم معنی الفاظ ہیں اسی لیے دستاویز کو قبالہ کہا جاتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب کہے، میں اس کی معرفت کا ذمہ دار ہوں کیونکہ ان الفاظ سے ضامن نے معرفت کی ذمہ داری قبول کی ہے مطالبہ کی نہیں۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا اگر کفیل نے کفالت بالنفس کی صورت میں یہ شرط تسلیم کی کہ مکفول بہٖ کو فلاں وقتِ معین میں سپرد کر دوں گا۔ تو مکفول لہٗ کے مطالبہ کرتے وقت اُسے اس چیز کو حاضر کرنا لازم ہو گا تاکہ اس چیز کی تکمیل ہو سکے جو اس نے اپنے ذمہ لازم کی ہے۔

اگر وہ وقتِ مقررہ پر حاضر کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی اُسے قید کرنے کا حکم دے گا۔ کیونکہ اس حق کی تکمیل میں جو اس پر لازم ہے کوتاہی سے کام لے رہا ہے لیکن قاضی پہلی مرتبہ بلانے پر ہی قید نہ کرے ممکن ہے کہ کفیل کو علم ہی نہ ہو کہ اُسے عدالت میں کیوں طلب کیا جا رہا ہے۔

اگر مکفول غائب ہو گیا تو قاضی کفیل کو مکفول کی آمد و رفت تک مہلت دے گا اگر مدتِ مہلت گزر گئی اور مکفول کو حاضر نہ کر سکا تو قاضی اُسے

قید کرنے کا حکم دے گا کیونکہ اس صورت میں ایفاءِ حق سے اس کا امتناع متحقق ہو چکا ہے۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ اسی طرح قاضی کفیل کو مہلت دے گا جب کہ مکفول العیاذ باللہ مرتد ہو گیا اور دارالحرب کے ساتھ لاحق ہو گیا۔ کیونکہ کفیل اس قدر مدت میں حاضر کرنے سے قاصر ہے لہٰذا کفیل کو اُسی طرح مہلت دی جائے گی جس طرح ایک تنگ دست کو دی جاتی ہے۔ اگر انقضاءِ مدت سے پہلے کفیل نے مکفول بہ کو صاحب مطالبہ کے سپرد کر دیا تو وہ کفالت سے بُری ہو گا۔ کیونکہ مدتِ معینہ کفیل کا حق ہے، اس لیے وہ اُسے ساقط کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ جس طرح معیادی قرض میں ہوتا ہے (کہ اگر مقروض مدت مقررہ سے پہلے ادائیگی کر دے تو درست ہو گی)۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ جب کفیل نے مکفول کو حاضر کر دیا۔ اور اُسے ایسے مقام میں مکفول لہٗ کے سپرد کر دیا جہاں وہ اس سے مخاصمت اور مطالبہ کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ شہر میں ہو تو کفیل کو کفالت سے بُری قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ جو کچھ اس نے اپنے ذمہ لیا تھا اُسے پورا کر دیا اور مکفول لہٗ کا مقصد اس سے حاصل ہو گیا۔ کیونکہ کفیل نے صرف ایک بار حاضر کرنے اور سپرد کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔

اگر کفیل نے اس امر کی کفالت کی کہ وہ مکفول کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرے گا۔ لیکن اس نے بازار میں سپرد کیا تو حصولِ مقصد کی بنا پر کفیل کو

کفالت سے بری قرار دیا جائے گا۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں کفیل کو بری قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ بازار میں سپرد کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے حاضر کرنے کی بجائے امتناع پر معاونت کی ہے (ممکن ہے بازار کے لوگ اُسے چھڑا لیں اور اُسے قاضی کی عدالت میں نہ جانے دیں تو اس صورت میں کفیل نے امتناع پر معاونت کی۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ شرط کی صورت میں اسے قاضی کی عدالت میں سپرد کرے) اس لیے مجلسِ قاضی کی شرط عائد کرنا مفید ہوگا۔

اگر اسے جنگل میں سپرد کیا تو بری نہ ہوگا۔ کیونکہ مکفول لہٗ ایسے جنگل میں مطالبہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ اسی طرح اگر کسی ایسے گاؤں میں سپرد کیا (جہاں عدالت نہیں تو بری نہ ہوگا۔) کیونکہ وہاں کوئی قاضی ہی نہیں جو ان کے درمیان فیصلہ صادر کر سکے۔

اگر اُسے ایسے شہر میں سپرد کیا جو اس شہر کے علاوہ ہے جس میں کفالت کی تھی تو امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں کفیل کو بری قرار دیا جائے گا کیونکہ مکفول لہٗ کو مخاصمت و مطالبہ پر قدرت حاصل ہے (ہر قاضی کی عدالت میں وصولِ حق کے لیے دعویٰ دائر کیا جا سکتا ہے۔)

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کفیل بری نہ ہوگا۔ کیونکہ بعض اوقات مکفول لہٗ کے گواہ اس معین شہر میں ہوتے ہیں اگر طالبِ حق کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے مکفول کو قید کر رکھا ہے تو قید خانہ میں سپرد کرنے کی وجہ سے

کفیل بَری نہ ہوگا۔ کیونکہ قید کی حالت میں مکفول لہٗ کیسے مطالبہ کرسکتا ہے۔
مسئلہ۔ امام قدوریؒ نے فرمایا جب مکفول بہٖ یعنی مدعیٰ علیہ وفات پا گیا تو کفیل بالنفس کفالت سے بَری ہو جائے گا۔ کیونکہ اب وہ اُسے حاضر کرنے سے عاجز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب خود اصیل سے حاضری ساقط ہوگئی تو کفیل سے حاضر کرنے کی ذمہ داری بھی ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح کفیل کی موت سے بھی کفالت ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کفیل بالنفس کو یہ قدرت نہیں رہی کہ جس نفس کی کفالت کی تھی اس کو سپرد کرسکے اور کفیل کے مال میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس واجب کی تکمیل اس کے مال سے کی جائے۔ (کیونکہ یہ کفالت بالمال نہ تھی کفالت بالنفس تھی)
اگر مکفول لہٗ وفات پا جائے تو اس کے وصی کو حق ہوگا کہ کفیل سے مطالبہ کرے اگر وصی نہ ہو تو مکفول لہٗ کے وارث کو یہ حق حاصل ہوگا کیونکہ وارث میّت کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مسئلہ۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا، جس شخص نے کفالت بالنفس کی۔ مگر زبان سے یہ نہ کہا کہ جب میں اسے تیرے سپرد کردوں تو میں کفالت سے بری الذمہ ہوں۔ اُس نے اس کے سپرد کر دیا تو کفالت سے بَری ہو جائے گا۔ کیوں کہ یہ تصرفِ کفالت بالنفس کا مقتضیٰ ہے لہٰذا یہ موجب تصریح کرنے کے علاوہ بھی ثابت ہوگا اور طالبِ حق کا تسلیم کرنا بھی شرط نہیں جیسا کہ قرض کی ادائیگی میں (یہ شرط نہیں کہ قرض خواہ ادائیگیٔ دین کو تسلیم بھی کرے بلکہ مقروض جب ادا کردے گا ادائیگی صحیح ہوگی)

اگر خود مکفول بہ نے اپنے نفس کو کفالت کی بنا پر سپرد کر دیا تو صحیح ہوگا۔ (یعنی مکفول بہ کہے کہ میں اپنے کو خود بخود کفیل کی کفالت کی وجہ سے سپرد کرتا ہوں تو یہ سپردگی درست ہوگی اور کفیل بری الذمہ قرار دیا جائے گا) کیونکہ مکفول بہ وہی شخص ہے جس سے مخاصمت اور مطالبے کا تعلق ہے۔ لہٰذا اُسے اپنے آپ اپنے کو حوالے کرنے کی ولایت بھی حاصل ہوگی۔

اسی طرح جب کفیل کا وکیل یا کفیل کا قاصد مکفول بہ کو سپرد کر دے (تو کفیل بری الذمہ ہوگا) کیونکہ کفیل کا وکیل یا اس کا قاصد کفیل کے قائم مقام ہے۔

مسئلہ :۔ امام قدوریؒ نے فرمایا اگر کسی شخص نے کسی شخص کی کفالت اس طرح کی کہ اگر فلاں وقت تک مکفول بہ نے یہ حق ادا نہ کیا تو اس کے حق کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور وہ حق مثلاً ایک ہزار روپیہ ہے لیکن اُسے وقتِ مقررہ پر حاضر نہ کر سکا تو کفیل پر مالِ مذکور کی ضمانت لازم ہوگی۔ کیونکہ کفالت بالمال اصل شخص کے ادا نہ کرنے کی شرط کے ساتھ معلق ہے۔ اور اس قسم کی تعلیق صحیح ہوتی ہے جب شرط پائی گئی (یعنی مقروض نے مدتِ مقررہ تک ادائگی نہ کی) تو کفیل پر مال لازم ہوگا۔ لیکن مال کی ادائیگی کے بعد بھی کفالت بالنفس سے بَری نہ ہوگا۔ اس لیے کہ کفیل پر کفالت کی بنا پر مال کا لازم آنا اس پر کفالتِ نفس کے لازم ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ دونوں قسم کی کفالتیں (یعنی کفالت بالنفس یا بالمال) اعتماد و پختگی کے لیے ہوتی ہیں۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ یہ کفالت صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ وجوبِ مال کے سبب کو ایک مُتردّد اور مشکوک امر کے ساتھ معلق کرنے کے مترادف ہے پس یہ کفالتِ بیع کے مشابہ ہوگی (کفالت بالمال وجوب مال کا سبب ہوتی ہے لیکن اگر کفالت کسی شرط سے متعلق ہو تو گویا وہ سبب شرط سے معلق ہوا جو مال کو واجب کرتا ہے اور شرط کے پورا ہونے اور نہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے تو سبب ایک امرِ مشکوک سے معلق ہوا۔ اور مال کو شرط پر معلّق کرنا جُوا ہے۔ جیسے کہ بیع کی تعلیق کسی ایسے امر سے جائز نہیں جس میں تردُّد اور شک ہو)

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ کفالت ایک لحاظ سے بیع کے مشابہ ہے اور ایک جہت سے نذر سے بھی مشابہت رکھتی ہے۔ اس جہت سے کہ یہ اپنے اوپر التزام ہے۔ (یعنی مالی مبادلہ ہونے کے لحاظ سے بیع کے مشابہ ہے۔ اور چونکہ کفیل نے لازم ہونے کے بغیر ہی مال اپنے اوپر لازم کر لیا تو نذر کے مشابہ ہوگئی۔ کیونکہ نذر میں ابتداءً انسان پر کچھ لازم نہیں ہوتا اور وہ نذر مان کر اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے۔) پس جہتِ بیع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم نے کہا کہ کفالت کو مطلق شرط سے معلق کرنا صحیح نہ ہوگا۔ معلق شرط جیسے ہوا کا چلنا یا اس کی طرح دیگر شرائط۔

اور ایسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جو متعارف و مروّج ہو (نذر سے مشابہت کا لحاظ کرتے ہوئے) صحیح ہوگا۔ تاکہ بیع اور نذر دونوں مشابہتوں پر عمل کیا جاسکے اور عدم ادائیگیِ حق کی شرط پر کفالت کو معلق کرنا متعارف ہے (لہٰذا

یہ شرط صحیح ہوگی)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا اگر کسی شخص نے کسی شخص کی کفالت بالنفس کا ذمہ اُٹھایا اور کہا کہ اگر یہ شخص کل تک اپنے حق واجب کو ادا نہ کرے تو مجھ پر مال کی ذمہ داری ہوگی۔ اگر مکفول عنہ فوت ہوگیا۔ تو کفیل مکفول لہٗ کے لیے اس مال کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ صاحب حق کو حق نہ وصول ہونے کی شرط متحقق ہو چکی ہے۔

مسئلہ:۔ فرمایا ایک شخص نے دوسرے شخص کے ذمے سو دینار کا دعویٰ کیا ان کی صفت بیان کی گئی ہو یا نہ (صفت سے مراد ان کا کھرا یا کھوٹا ہونا ہے) یہاں تک کہ ایک تیسرے شخص نے کفالت بالنفس کا اقرار کیا کہ اگر یہ کل تک ادائیگی نہ کرے تو سو دینار اس کے ذمہ ہوں گے۔ لیکن اس شخص نے دوسرے دن ادائیگی نہ کی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کی رائے میں اس پر سو دینار واجب ہوں گے۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر مدعی نے دنانیر کی صفت بیان نہیں کی یہاں تک کہ ایک شخص مدعیٰ علیہ کی ذات کا کفیل بن بیٹھا۔ ازاں بعد مدعی نے دعویٰ کیا (اور دنانیر کی صفت بھی بیان کردی) تو اس کا دعوےٰ قابل التفات نہ ہوگا۔ کیونکہ کفیل نے ایسے مال کی کفالت کی ہے جو ایک قابل تردّد امر کے ساتھ معلق ہے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ کفیل نے ان دیناروں کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا جو مکفول عنہ پر ہیں (یعنی یوں نہیں کہا کہ مجھ پر وہ دینار واجب ہیں۔ جو تیرے فلاں شخص پر ہیں) تو اس طرح کفالت ہی صحیح نہ ہوگی خواہ کفیل نے

دیناروں کی صفت بھی بیان کر دی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ وصف کے بیان کے بغیر دعویٰ صحیح نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا اس کفالت کی بنا پر مدعیٰ علیہ کو حاضر کرنا واجب نہ ہوگا۔ اور جب مدعیٰ علیہ کا حاضر کرنا واجب نہ رہا تو کفالۃ بالنفس صحیح نہ ہوئی لہٰذا کفالۃ بالمال بھی صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ مال کی کفالت کا دارومدار نفس کی کفالت پر ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب دنانیر کی وصف کی تصریح کر دے تو دونوں کفالتیں صحیح ہوں گی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفیل نے مال کا ذکر معرف باللام (المال) کی صورت میں کیا ہے (جو چیز معرف باللام ہو وہ معیّن و مقرر ہوتی ہے۔) تو یہ اسی مال کی طرف راجع ہوگا جس کا مکفول عنہ پر دعویٰ کیا گیا ہے اور دعاوی میں اجمالی بیان معتاد ہے تو بیان و دعویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے مجمل دعویٰ درست ہوگا۔ لیکن جب اس نے صفت بیان کر دی تو یہ بیان اصل دعویٰ کے ساتھ لاحق ہو جائے گا جب پہلی کفالت کی صحت واضح ہو گئی تو دوسری کفالت بھی اسی پر مبنی و مترتب ہوگی۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدود و قصاص میں کفالۃ بالنفس جائز نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حدود و قصاص میں کفالۃ بالنفس پر مدعیٰ علیہ کو مجبور نہ کیا جائے گا۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حدِ قذف میں مدعیٰ علیہ کو کفالت بالنفس پر مجبور کیا جائے گا (یعنی وہ اپنی طرف سے کوئی کفیل پیش کرے) کیونکہ حدِ قذف میں بندے کا حق پایا جاتا ہے اور قصاص میں بھی کفیل دینے پر

مجبور کیا جائے گا کیونکہ قصاص خالصتہً حقِ عبد ہے بخلاف ان حدود کے جو خالصتہً اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا كَفَالَةَ فِیْ حَدٍّ یعنی معاملاتِ حدود میں کفالت نہیں ہوتی اور یہ حدیث مطلق ہے (حقِ عبد اور حق اللہ کے درمیان کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی) دوسری بات یہ ہے کہ تمام حدود کا مبنیٰ ان کے دفع اور ساقط کرنے پر ہوتا ہے (حتیٰ کہ شبہ کی بنا پر حد کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔) لہٰذا کفالت کے ذریعے ان میں استحکام اور پختگی پیدا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ بخلاف دوسرے حقوق کے کہ وہ شبہات کی بنا پر ساقط نہیں ہوتے لہٰذا حقوق میں استحکام مناسب ہوگا۔ جس طرح کہ تعزیرات میں (حقوق کا تحفظ مقصود ہوتا ہے لہٰذا تعزیرات میں مدعیٰ علیہ سے کفیل لیا جائے گا)

اگر مدعیٰ علیہ نے بطیبِ خاطر خود کفیل دے دیا تو کفالت بالاجماع صحیح ہوگی۔ کیونکہ کفالت کے موجب کو عقدِ کفالت پر مترتب کرنا ممکن ہے۔ (اور وہ حدود میں اپنے نفس کو اجراءِ حد کے لیے پیش کر دینا ہے) کیونکہ حدود کے دعویٰ میں مدعیٰ علیہ کو اپنے نفس کا سپرد کرنا واجب ہے۔ پس اس حاضری کے سلسلے میں کفیل سے مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اس صورت سے کفالت کا مفہوم۔ ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کے ساتھ ملا دینا۔ متحقق ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ حدود و قصاص کے

معاملات میں مدعیٰ علیہ کو قید نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ دو مستورالحال گواہ یا ایک عادل گواہ جسے قاضی جانتا ہے گواہی نہ دے۔ کیونکہ حدود و قصاص میں قید کرنا تہمت کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور تہمت کا ثبوت شہادت کے ایک حصے سے ہو جاتا ہے خواہ عدد ہو یا عدالت۔ (یعنی شہادتِ کاملہ کے دو جزء ہیں ایک عدد یعنی دو گواہ ہونا اور دوم صفتِ عدالت) بخلاف ایسی قید کے جو اموال کے سلسلہ میں ہو (اموال میں قید کا مدار کامل گواہی پر ہوتا ہے۔) کیونکہ اموال میں انتہائی سزا قید ہے تو سوائے حجتِ کاملہ کے سزائے کاملہ ثابت نہ ہوگی۔

مبسوط کے باب ادب القاضی میں مذکور ہے کہ صاحبینؒ کے قول کی بنا پر حدود و قصاص کے معاملات میں ایک گواہ کی شہادت سے خواہ وہ عادل ہی ہو مدعیٰ علیہ کو قید نہیں کیا جائے گا کیونکہ کفالت کی بنا پر حق کا استحکام ہو چکا ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ خراج میں رہن اور کفالت جائز ہیں کیونکہ خراج بھی ایک ایسا قرض ہے جس کے مطالبہ کا حق ہے اور اس کی وصولی ممکن ہے تو رہن اور کفالت دونوں میں عقد پر اس کا موجب مترتب کرنا ممکن ہے۔ (عقدِ کفالت میں عقد کا مقتضیٰ اور موجب یہ ہے کہ مطالبۂ خراج میں کفیل بھی ذمہ دار ہوگا۔ اور عقدِ رہن میں اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خراج کی وصولی کو استحکام حاصل ہے کیونکہ مالِ مرہون سے خراج کا وصول کرنا ممکن ہے)

مسئلہ :- امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کی کفالت بالنفس حاصل کر لی پھر صاحب حق مقروض کے پاس گیا اور اس سے ایک اور کفیل لے لیا تو یہ دونوں کفیل ہوں گے۔ کیونکہ عقدِ کفالت کا مقتضیٰ مطالبے کا التزام ہے اور مطالبے متعدد ہو سکتے ہیں اور عقدِ کفالت کا مقصد حق کا استحکام اور تحفظ ہوتا ہے اور کفالتِ ثانیہ میں اس استحکام میں مزید قوت پیدا ہو جاتی ہے لہذا دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

مسئلہ :- (امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ) کفالت کی دوسری قسم یعنی کفالۃ بالمال کا جواز بھی موجود ہے۔ مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول بشرطیکہ وہ دین صحیح ہو مثلاً یوں کہے کہ میں نے فلاں شخص کی طرف سے ایک ہزار کی کفالت کی۔ یا یوں کہے جو تمہارا حق اس پر لازم ہے میں اس کا کفیل ہوں یا یوں کہے کہ اس بیع میں جو کچھ تم کو وصول ہوگا میں اس کا کفیل ہوں کیونکہ کفالت وسعت و گنجائش پر مبنی ہے۔ اس میں تھوڑی بہت جہالت بھی قابل برداشت ہوتی ہے (یعنی کفالت کی ابتداء میں کفیل محض احسان کے طور پر یہ ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے۔ اُسے کفیل بننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ جب کفالت میں اس قدر توسیع ہے تو اس میں تھوڑی بہت جہالت بھی قابلِ برداشت

(۱)

۔ اور کفالہ ۔۔۔ (یعنی جو کچھ تم کو اس معاملہ میں حاصل ہوگا میں اس کا کفیل ہوں) کے جائز ہونے پر اجماع ہے اور اجماع کا حجتِ شرعیہ ہونا کافی ہے اور یہ مجہول مال کی کفالت ایسے ہوگی جیسے کوئی زخم یا ہڈی ٹوٹ

جانے کی کفالت کرے تو کفالت صحیح ہوگی (یعنی اس زخم کی بنا پر جو دیت وغیرہ لازم آئے گی اس کی کفالت کرے اگر زخم سے مرگیا تو دیت واجب ہو گی ورنہ جرمانہ۔ اس صورت میں مقدارِ دیت یا جرمانہ جس کی کفالت کی گئی ہے مجہول ہے مگر کفالت درست ہے۔ اگرچہ مذکورہ زخم میں احتمال ہے کہ سرایت کر کے جان تلف کر دے یا سر تک ہی رہ کر اچھا ہو جائے اور اس جہالت کے باوجود کفالت درست ہے اسی طرح دیگر دَینوں میں جہالت کے ساتھ کفالت صحیح ہوگی)

امام قدوریؒ نے یہ شرط عائد کی ہے کہ دَین صحیح ہو (دَین صحیح وہ ہوتا ہے، جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اور ادائیگی یا معافی کے بغیر ساقط نہ ہو) امام قدوریؒ کی اس شرط سے مراد یہ ہے کہ دین مذکور عقدِ کتابت کا معاوضہ نہ ہو۔ (کیونکہ غلام کے ذمہ مالِ کتابت دَین صحیح نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر غلام ادائیگی سے عاجز آجائے تو مالِ کتابت ساقط ہو جاتا ہے اور غلام پھر غلام ہو جاتا ہے۔) اس کی پوری تفصیل آپ کو اپنے مقام پر مل جائے گی۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کفالت کا فائدہ بیان کرتے ہوئے کہ مکفول لہٗ کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس شخص سے مطالبہ کرے جس پر اصل قرض ہے یا چاہے تو اس کے کفیل سے مطالبہ کرے۔ کیونکہ کفالت مطالبہ کے حق کو ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ سے ملانے کو کہتے ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اصل مقروض پر بھی حقِ مطالبہ باقی رہے۔ نہ یہ کہ وہ اس حق کے مطالبہ سے بری ہو جائے البتہ اگر یہ شرط عائد کر لی جائے کہ اصل مقروض

حقِ مطالبہ سے بَری ہوگا تو اس صورت میں معانی کا لحاظ کرتے ہوئے عقدِ کفالت حوالہ ہو کر منعقد ہوگا۔ جیسا کہ عقدِ حوالہ اس شرط کے ساتھ کہ اصل مقروض بَری نہ ہو تو کفالہ ہوتا ہے۔ (حوالہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے حق کو دوسرے کے ذمے منتقل کر دینا جس سے اصل مقروض بَری ہو جاتا ہے۔ اور ادائیگی کا ذمہ دار محال علیہ ہوتا ہے۔ البتہ اگر یہ شرط کر دی جائے کہ حوالہ کی صورت میں اصل مقروض بھی بَری نہ ہوگا تو اگرچہ یہ نام کے لحاظ سے حوالہ ہے مگر دراصل کفالہ ہے۔ الحاصل حوالہ اور کفالہ میں فرق یہ ہے کہ کفالہ میں اصیل وکفیل دونوں ذمہ دار ہوتے ہیں اور حوالہ میں اصیل ذمہ داری سے بَری ہو جاتا ہے صرف محال علیہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ البتہ اگر حوالہ میں اصیل کی عدم براءۃ کی شرط لگا دی جائے تو یہ معنوی طور پر کفالہ بن جاتا ہے۔)

اگر مکفول لہٗ نے کسی ایک سے مطالبہ کیا (اور وصولی نہ ہوئی) تو وہ دوسرے سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ اُسے یہ بھی حق ہے کہ دونوں سے اکٹھا ہی مطالبہ کرے کیونکہ کفالت کا مقتضیٰ ضم ہے (اور دونوں مطالبہ کرنے کے لحاظ سے بھی ملے ہوئے ہوں گے) بخلاف اس صورت کے کہ جب مالِ مغصوب کا مالک دونوں غاصبوں میں سے ایک غاصب کو مال کا ضامن بنا دے (تو دوسرے سے مطالبہ نہیں کر سکتا) اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک کا دونوں میں سے ایک غاصب کو اختیار کرنا اس کی ملکیت میں دینے کو متضمن ہے۔ تو اب مالک کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اسی مال کو دوسرے کی ملکیت میں بھی دے دے۔ لیکن کفالت کی بنا پر مطالبہ کرنا ملکیت میں دینے کو

متضمن نہیں ہوتا۔ پس کفالت اور تضمین مالک میں فرق واضح ہو گیا۔

مسئلہ :۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ کفالت کو شرائط کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے مثلاً یوں کہے کہ تم جو کچھ بھی فلاں سے بیع شراء کرو میرے ذمہ ہے۔ (یعنی مشتری کے لیے مبیع کا ضامن ہوں اور بائع کے لیے قیمت کا) یا جو کچھ تمہارا حق فلاں کے ذمے واجب ہو اس کا میں ذمہ دار ہوں یا فلاں شخص نے تجھ سے جو کچھ غصب کیا ہے اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اس سلسلے کی بنیاد اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ اور جو اس پیالے کو لے آئے گا اُسے ایک اونٹ کے بوجھ کے مطابق غلہ دیا جائے گا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ (ملاحظہ کیجیے اس آیت میں کفالت کو شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ کفالت کا شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے) اور ضمان بالدرک کی صحت پر اجماع کا انعقاد ہو چکا ہے۔ (یعنی اس معاملہ میں جو تمہارا حق ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں اور ضمان بالدرک میں بھی تعلیق بالشرط ہوتی ہے)

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کفالت کا ایسی شرط سے معلق کرنا درست ہے جو شرط عقدِ کفالت کے مناسبِ حال ہو۔ مثلاً کہ وہ شرطِ وجوب حق ہو۔ جیسے کفیل یوں کہے کہ مبیع میں کسی دوسرے کا حق ثابت ہو تو اس کا میں ذمہ دار ہوں۔ یا کوئی شرط حق کی وصولی کے امکان کی ہو مثلاً کفیل کا یوں کہنا کہ جب زید آجائے (تو وصولی کا میں ذمہ دار ہوں) درآنحالیکہ زید ہی مکفول عنہ ہے۔ یا حق کی وصولی کی دشواری کی کوئی شرط ہو مثلاً کفیل کا یوں

کہنا کہ جب یہ شخص یعنی مکفول عنہ شہر سے غائب ہو (تو تیرے حق کا میں ضامن ہوں) اور جو شرائط ہم نے مثال کے طور پر پیش کی ہیں ایسی شرائط ہیں جو عقدِ کفالت کے مناسبِ حال ہیں۔

مطلق شرط سے معلق کرنا درست نہ ہوگا۔ مثلاً کفیل کا یہ کہنا کہ جب ہوا چلے یا جب بارش برسے تو میں ذمہ دار ہوں اسی طرح اگر ان میں سے کسی چیز کو کفالت کے لیے مدت قرار دے (مثلاً جب ہوا چلنے لگے یا بارش برسنے لگے تو میں ضامن ہوں تو اس معیاد کے ساتھ کفالت کو مشروط کرنا بھی صحیح نہیں) تو مذکورہ صورت میں کفالت صحیح ہوگی۔ اور مال کی ادائیگی اسی وقت واجب ہوگی۔ کیونکہ جب کفالت کا شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے تو شروطِ فاسدہ کے ساتھ معلق کرنے کی وجہ سے باطل نہ ہوگی۔ جیسے طلاق اور عتاق (شروطِ فاسد سے باطل نہیں ہوتے۔ اگر انہیں شروطِ فاسدہ سے معلق کیا جائے تو شرائط باطل ہوں گی اور اسی وقت طلاق یا عتاق کا وقوع ہو جائے گا)

اگر کفیل نے کہا کہ میں تیرے اس حق کا جو اس پر واجب ہے ضامن ہوں اور مقروض پر شہادت قائم ہونے کی بنا پر ایک ہزار کا ثبوت مل گیا تو کفیل ایک ہزار کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ جو چیز شہادت سے ثابت ہو وہ مشاہدہ سے ثابت ہونے والی چیز کی طرح ہے اس شہادت کی وجہ سے مقروض پر ایک ہزار ثابت ہوگا تو اس طرح اس کی کفالت وضمانت بھی درست ہوگی۔ اگر شہادت کا ثبوت فراہم نہ ہو سکا تو حلف کے ساتھ کفیل کا قول تسلیم

کیا جائے گا اس مقدار میں جس کا وہ اعتراف کرتا ہے۔ کیونکہ کفیل مقدارِ زائد
سے منکر ہے (اور منکر کا قول حلف کے ساتھ قابلِ تسلیم ہوتا ہے)۔
اگر مکفول عنہ اس مقدار سے زائد کا اقرار کرتا ہے جس کا کفیل اعتراف
کرتا ہے تو کفیل کے حق میں اس کے اعتراف کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ
یہ اقرار علی الغیر ہے (یعنی اس کے اقرار سے غیر پر ذمہ داری واقع ہو رہی ہے)
اور مکفول عنہ کو کفیل پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں۔ البتہ مکفول عنہ کے
اپنے حق میں اس مقدارِ زائد کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اُسے اپنی
ذات پر ولایت حاصل ہے۔
مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ مکفول عنہ کے حکم سے اور اس کے
حکم کے بغیر بھی کفالت جائز ہے کیونکہ ہماری روایت کردہ حدیث مطلق ہے
دوسری بات یہ ہے کہ عقدِ کفالت سے مطالبہ اپنے ذمہ لازم کرنا ہوتا ہے۔
اور یہ التزام اپنی ہی ذات کے حق میں ایک تصرّف ہے نیز اس میں طالب
حق کی منفعت بھی ہے اور مطلوب یعنی مقروض پر کوئی ضرر بھی نہیں آتا کیونکہ
کفیل کو رجوع کا حق حاصل ہے جبکہ کفالت مکفول عنہ کے حکم سے ہو کیونکہ
جب مکفول عنہ کفالت کا حکم دے رہا ہے تو وہ کفیل کے رجوع کرنے پر
بھی رضامند ہے (کہ کفیل جو کچھ ادا کرے وہ مکفول عنہ سے وصول کرے)
اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم سے کفالت کی تو جو کچھ ادا کرے گا وہ
مکفول عنہ سے واپس لے گا۔ کیونکہ اس نے اُسی کا قرض اس کے حکم سے
ادا کیا ہے۔

اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفالت کی تو جو کچھ ادا کرے گا اس سے واپس نہیں لے گا کیونکہ کفیل اس کا قرض ادا کرنے میں احسان کرنے والا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ کے اس قول ـــ کفیل رجوع کرے گا اس مقدار کا جو اس نے ادا کی ـــ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ادا کردہ مقدار میں رجوع کرے گا۔ اُسی مقدار کا جس کا وہ ضامن ہے لیکن اگر کفیل نے اس کے خلاف کچھ ادا کیا تو اُسی مقدار کا رجوع کرے گا جس کا ضامن تھا۔ (ادا کردہ مقدار کا رجوع نہ کرے گا) کیونکہ کفیل قرض کی ادائیگی کی وجہ سے قرض کا مالک بن گیا۔ (جو مکفول عنہ کے ذمے تھا) لہٰذا کفیل کو اصل صاحبِ دَین کے قائم مقام شمار کیا جائے گا (اور صاحبِ دین صرف اسی مقدار کا مطالبہ کر سکتا ہے جو اس کے ذمہ ہے زائد کا نہیں تو اُس کے قائم مقام ہونے والے کو بھی یہی حق ہو گا۔)

(کفیل ادا کردہ قرض کا اسی طرح مالک ہو جاتا ہے) جس طرح یہ کفیل مکفول عنہ کی طرف سے ہبہ کرنے سے قرض کا مالک بن جائے یا بطورِ وراثت مالک بن جائے (یعنی مکفول لہٗ کی موت کے بعد کفیل اس کا وارث بنا تو وہ قرض کی وصولی کا وارث بھی ہو گا۔) یا جیسے محتال علیہ مالک بنتا ہے بذریعہ ان امور کے جو ہم نے کفایۃ المنتھی کے باب الحوالہ میں ذکر کئے ہیں بخلاف اس شخص کے جس کو ادائے دَین کے لیے مامور کیا گیا ہو کہ وہ مدیون سے اسی چیز کا مطالبہ کرے گا جو اس نے ادا کی ہے اس لیے کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں تھی کہ وہ ادا کرنے سے قرض کا مالک بن جاتا (یعنی کفیل پر تو

کفالت کی وجہ سے لازم تھا کہ مال ادا کرے لیکن اداءِ دین کے مامور شخص پر کوئی ایسی چیز واجب نہیں بلکہ اس نے تو خوشی کے ساتھ بطورِ احسان اس کام کو منظور کیا تو وہ ادا سے قرض کا مالک نہ ہوگا بلکہ جو کچھ ادا کرے گا اتنا ہی واپس لے گا) بخلاف اس صورت کے کہ کفیل نے طالب دین سے ہزار درہم قرضہ سے پانچ سو درہم پر صلح کر لی۔ (تو ہزار درہم کا مالک نہ ہوگا۔ بلکہ مطلوب یعنی مقروض سے پانچ سو درہم واپس لے گا) کیونکہ کمی کے ساتھ صُلح تو بعض حق کو ساقط کرنے کے مترادف ہے اور یہ صورت ایسے ہوگئی جیسے صاحبِ حق کفیل کو اس مقدار سے بَری کر دے۔ (تو اس صورت میں بھی مقروض سے ہزار درہم کا مطالبہ نہ کیا جائے گا بلکہ ادا کردہ مقدار کا مطالبہ ہوگا۔)

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا: کفیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ کرے قبل اس کے کہ اس کی طرف سے ادا کرے۔ کیونکہ کفیل ادا کرنے سے پہلے اس مال کا مالک ہی نہیں ہوتا (اور ملکیت ہی وہ چیز ہے جس سے حقِ رجوع ثابت ہوتا ہے) بخلاف وکیل بالشراء کے کہ وہ محض خرید لینے ہی سے اس چیز کی قیمت کا مؤکل سے رجوع کر سکتا ہے کیونکہ وکیل اور مؤکل کے درمیان مبادلہ حکمی واقع ہوا ہے۔ (یعنی وکیل نے بائع سے جب چیز خریدی تو یہ بیع دراصل وکیل کے ساتھ ہے پھر جب وکیل نے مؤکل کو وہ چیز سپرد کی تو گویا وکیل و مؤکل میں ایک نئی بیع منعقد ہو رہی ہے تو وکیل اس کی قیمت کا مؤکل سے حق رکھتا ہے جس طرح بائع قیمت

کا وکیل سے حقدار ہے بلکہ اگر مؤکل قیمت ادا نہ کرے تو وکیل بیع کو روک سکتا ہے)

مسئلہ:- امام قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر صاحب حق کی طرف سے مطالبۂ مال کے لیے کفیل سے شدید تقاضا ہونے لگا تو کفیل کو حق حاصل ہے کہ وہ مکفول عنہ سے اسی شدت کا تقاضا کرے حتّٰی کہ مکفول عنہ اُسے اس تقاضے سے رہائی دلائے۔ اسی طرح اگر کفیل کو محبوس کر دیا گیا تو اُسے حق ہے کہ وہ مکفول عنہ کو محبوس کرے۔ کیونکہ کفیل کو جو کچھ پیش آیا ہے وہ اُسی کی وجہ سے پیش آیا ہے لہٰذا وہ اس کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرے گا، جو اس کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

اگر طالبِ حق نے مکفول عنہ کو بَری کر دیا یا اس سے اپنا حق خود وصول کر لیا تو کفیل بھی بری ہو جائے گا۔ کیونکہ اصیل کی براءۃ، کفیل کی براءت کی متقاضی اور موجب ہے کیونکہ درحقیقت قرض تو اصیل ہی کے ذمہ تھا صحیح روایت میں یہی مذکور ہے۔

اگر طالبِ حق نے کفیل کو بری کر دیا تو اس سے اصیل بری نہ ہوگا کیونکہ کفیل کو تابع کی حیثیت حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کفیل پر تو صرف حقِ مطالبہ کی ذمہ داری ہے (اصل قرض اس کے ذمے نہیں) اور کفیل سے مطالبہ کے بغیر بھی اصیل پر قرض کا باقی رہنا ممکن ہے۔

اسی طرح طالبِ حق اگر اصیل سے مطالبہ کرنے میں التواء کر دے تو یہ التواء کفیل کے حق میں بھی ثابت ہوگا۔ لیکن اگر کفیل سے مطالبہ میں تاخیر کرے تو یہ تاخیر اس شخص کے لیے ثابت نہ ہوگی جس پر اصل دین

قائم ہے کیونکہ تاخیر ایک معینہ وقت تک بری کر دینا ہوتا ہے لہذا اُسے ہمیشہ کے لیے بری کر دینے پر قیاس کیا جائے گا۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب کفیل نے فی الحال واجب الادا مال کی ایک ماہ کی مدت کے لیے کفالت قبول کی تو یہ مدت اصیل کے حق میں بھی مؤثر ہوگی (اور قرض کو ایک ماہ تک مؤخر کر دے گی) کیونکہ وجودِ کفالت کی صورت میں طالب کا سوائے قرض کے دوسرا کوئی حق نہیں (یعنی کفالت کی مدت اصل قرض کی طرف ہی راجع ہوگی) لہٰذا مدت مذکورہ قرض میں داخل ہوگی۔ لیکن یہاں صورت اس کے برعکس ہے (یعنی جس صورت میں سابق قرض کی وجہ سے صرف کفیل کو مہلت دی جائے جبکہ کفالت اس تاجیل سے قبل وقوع پذیر ہو چکی ہے تو یہ تاخیر اصل قرض میں لاحق نہ ہوگی اور طالب حق کو اختیار ہے کہ اصیل سے اسی وقت مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ یہ تاخیر صرف کفیل سے مطالبہ کے سلسلے میں ہے اصل قرض میں داخل نہیں)۔

اگر کفیل نے صاحب مال کے ساتھ ہزار درہم قرض سے پانچ صد پر صلح کر لی تو کفیل بری ہو گیا اور ساتھ ہی وہ شخص بھی جس پر اصل قرض ہے۔ کیونکہ کفیل نے صلح کی نسبت ہزار درہم قرض کی طرف کی۔ حالانکہ یہ ہزار درہم کا قرض اصیل پر واجب ہے تو اصیل بھی پانچ سو سے بری ہوگا کیونکہ یہ صلح بمنزلہ اسقاط ہے اور اصیل کا بری ہونا کفیل کی براءۃ کا موجب ہے۔ پھر کفیل کے ادا کرنے سے دونوں اصیل و کفیل پانچ سو درہم سے بھی بری ہو گئے اور کفیل اصیل سے صرف پانچ سو درہم کے لیے رجوع کرے گا بشرطیکہ کفالت

اصیل کے حکم سے ہوئی ہو۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب کفیل کسی دوسری جنس پر صلح کرے (مثلاً ہزار درہم سے پچاس دینار یا معین سامان پر صلح کی تو یہ مبادلے کی صورت ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صاحب حق نے اپنا حق ساقط کیا ہے۔) کیونکہ یہ مبادلۂ حکمی ہے تو وہ ہزار درہم قرض کا مالک ہوگیا لہذا وہ مکفول عنہ پورے ہزار درہم واپس لے گا۔

اگر کفیل نے طالب سے اس حق سے صلح کی جو بوجہ کفالت اس پر واجب ہوا ہے تو اصیل بری نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صلح سے کفیل مطالبہ سے بری ہوتا ہے (اور کفیل کی براءۃ سے اصل قرض کا اسقاط لازم نہیں آتا)

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا اگر کسی شخص نے ایسے کفیل سے جو اس کے لیے کسی مال کا ضامن ہے کہا کہ تو میری طرف سے مال کی ادائیگی سے بری ہوچکا ہے تو کفیل مکفول عنہ سے رجوع کرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مال کے سلسلے میں رجوع کرے گا جس مال کا اس کے حکم سے ضامن ہوا تھا۔ کیونکہ براءۃ جس کی ابتداء مطلوب کی طرف سے ہو اور انتہاء طالب کی طرف سے تو ایسی براءۃ ادائیگی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی لہذا طالب کا یہ قول اس بات کا اقرار ہوگا کہ کفیل نے قرض کی ادائیگی کر دی ہے لہذا کفیل کو مکفول عنہ سے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

اگر طالب نے کہا کہ میں نے تجھے بری کیا تو کفیل اپنے مکفول عنہ سے رجوع نہیں کرے گا کیونکہ یہ ایک ایسی براءۃ ہے جو طالب کے علاوہ کسی دوسرے تک منتہی نہیں ہوتی اور اس قسم کی براءۃ حق کو ساقط کرنے سے

حاصل ہوتی ہے۔ تو یہ کفیل کی ادائیگی کا اقرار نہ ہوگا (لہٰذا وہ مکفول عنہ سے رجوع نہ کرے گا۔)

اگر طالب نے کہا تو بری ہوگیا (یہ نہ کہا کہ میری جانب سے بری ہوا) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ قولِ ثانی کی طرح ہے (یعنی میں نے تجھے بری کر دیا۔) کیونکہ اس براءۃ میں دو احتمال پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ کفیل طالب کو اس کا حق ادا کر دینے کی وجہ سے بری ہو گیا ہو اور دوسرا یہ کہ طالب نے ساقط کر دینے سے کفیل کو بری کر دیا ہو تو ان دونوں احتمالوں سے ادنیٰ درجہ ثابت ہوگا۔ کہ کفیل اسقاطِ حق کی وجہ سے بری ہوگیا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول، قولِ اول کی طرح ہے (یعنی تو میری طرف سے بری ہو چکا ہے) اس لیے کہ طالب نے ایسی براءۃ کا اقرار کیا جس کی ابتداء مطلوب کی طرف سے ہے اور مطلوب کی طرف ادائیگی کا فعل ہی منسوب ہو سکتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان مذکورہ تینوں صورتوں میں جب طالب موجود ہو تو اس کے قول کی توضیح و تشریح کے لیے اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ وہی تو قول میں ابہام و اجمال پیدا کرنے والا بھی ہے (لہٰذا توضیح بھی اسی کا کام ہوگا۔)

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ کفالت سے برأت کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں کیونکہ برأت میں تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں جیسا کہ تمام براتوں میں (طالب کی طرف سے تملیک کا مفہوم ہوتا ہے)

نوادر میں بیان کیا گیا ہے کہ شرط کے ساتھ تعلیق براءۃ صحیح ہے۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق کفیل پر صرف مطالبہ لازم ہوتا ہے نہ کہ اصل قرض تو ایسی تعلیق سے صرف اسقاطِ مطالبہ ہوگا جیسے طلاق میں (یعنی طلاق کو شرطِ محض سے معلق کرنا جائز ہے جیسے عورت سے کہا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ تو ایسی صورت میں عورت اپنے لیے خود مختار ہو جاتی ہے اور مرد کے مطالبہ سے بچ جاتی ہے)

اور اسی بناء پر یہ اسقاطِ محض ہے کفیل کی براءۃ اس کے ردّ کرنے سے ردّ نہیں ہوتی (یعنی اگر کفیل براءۃ کو ردّ کرنا چاہیئے تو ایسا نہیں کر سکتا جیسا کہ عورت کو طلاق دینے سے واقع ہو جاتی ہے وہ وقوعِ طلاق کو ردّ نہیں کر سکتی) بخلاف براءۃ اصیل کے (کہ یہ براءۃ ردّ کرنے سے ردّ ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر طالب قرض معاف کر دے لیکن اصیل ادا کرنا چاہے تو معافی ردّ ہو جائے گی۔)

وہ حق جس کا صحیح طور پر وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو اس میں کفالت بھی جائز نہ ہو گی جیسا کہ حدود اور قصاص میں (اس کا مطلب یہ ہے کہ نفسِ حد کی کفالت صحیح نہیں (مثلاً کفیل کہے کہ اگر مکفول عنہ حد زنا کے لیے حاضر نہ ہو تو میں ذمہ دار ہوں اور میں حد کے لیے تیار ہوں)، نہ کہ اس شخص کی کفالت جس پر حد واقع ہو رہی ہے (کیونکہ اگر اس شخص کی حاضری کی کفالت کرے تو بعض ائمہ کے نزدیک جائز ہے) ورنہ نفسِ حد کی کفالت جائز نہیں کیونکہ کفیل پر حد یا قصاص کا واجب کرنا ممکن نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سزاؤں میں

نیابت جاری نہیں ہوا کرتی۔

مسئلہ:- اگر مشتری کی طرف سے قیمت کی کفالت کرے تو جائز ہے کیونکہ دوسرے قرضوں کی طرح یہ بھی ایک قرضہ ہے اگر بائع کی طرف سے مبیع کی کفالت کرے تو جائز نہ ہوگی کیونکہ مبیع ایک معین چیز ہے جو ایک غیر چیز یعنی قیمت کے بدلے ضمانت میں ہے۔ اعیان مضمونہ کی کفالت اگرچہ ہمارے نزدیک جائز ہے امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں۔ لیکن یہ کفالت انہیں اعیان میں جائز ہے جو اپنی ذات کے لحاظ سے مضمون ہوں۔ (اعیان مضمونہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ صرف ان کی ضمانت ہو کہ اگر یہ معین شئے وصول نہ ہو سکی تو اس کے قائم مقام چیز یعنی قیمت وصول کی جائے۔ دوسرے وہ جس میں عین کی ذاتی ضمانت ہو یعنی جس کا بعینہٖ واپس کرنا ضروری ہو۔ اگر تلف ہو جائے تو اس کی مثل یا قیمت واجب ہوگی) یا جیسے بیع فاسد کا مبیع یا وہ مبیع جو صرف بھاؤ کے لیے قبضہ میں ہو (اس قسم کے مبیع کے لیے کفالت درست ہے) یا جیسے وہ چیز جو کسی نے غصب کر لی (واپسی سے پہلے اگر مغصوب تلف ہو جائے تو اس کی قیمت واجب ہوتی ہے جو اس مالِ عین کے قائم مقام ہے ایسے اعیان کی کفالت درست ہے) لیکن ایسے اعیان کی کفالت درست نہیں جو مضمون بالغیر ہیں مثلاً مبیع (جو بعوض ثمن مضمون ہے) اور جیسے عین مرہون (کہ وہ بعوض مقدار قرض کے مضمون ہے حتیٰ کہ اگر تلف ہو جائے تو قرض ساقط ہو جاتا ہے) اور نہ ایسی اعیان جو امانت ہیں جیسے مالِ ودیعت یا مستعار چیز یا وہ مالِ عین جو کسی سے کرایہ پر لیا ہو۔ یا مالِ مضاربت یا مالِ

شرکت (ان سب اعیان کی کفالت جائز نہیں کیونکہ ان کا حکم امانت کا ہے ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہمارے نزدیک اعیان کی کفالت جائز ہے لیکن صرف ان اعیان کی جو مضمون بنفسہ ہیں حتی کہ اگر وہ تلف ہو جائیں تو قیمت واجب ہوتی ہے اور اعیانِ مضمون بغیرہ کی کفالت درست نہ ہوگی مثلاً ودیعت وغیرہ) ۔

اگر قبضہ سے پہلے مبیع سپرد کرنے کی کفالت کی (جب کہ مشتری قیمت ادا کر چکا ہے) یا مرہون چیز کی قبضہ کے بعد راہن کو سپرد کرنے کی کفالت کی (جب کہ وہ مرتھن کے قبضہ میں ہے) یا کرایہ پر لی ہوئی چیز کو اس شخص کے جس نے کرایہ پر لی ہے سپرد کرنے کی کفالت کی تو ان امور میں عقدِ کفالت جائز ہوگا ۔ کیونکہ کفیل نے ایک فعل واجب کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے ۔ اس لیے کہ مذکورہ اشیاء کی سپردگی عاقد پر لازم ہے اور لازم فعل کی کفالت صحیح ہوتی ہے) ۔

مسئلہ :۔ اور اگر کسی شخص نے باربرداری کے لیے ایک جانور کرائے پر لیا اگر جانور معین ہو تو باربرداری کی کفالت صحیح نہ ہوگی ۔ کیونکہ کفیل اس بات سے عاجز ہے (کہ ایک معیّن جانور پر اس مقصد کی تکمیل کر سکے ۔ یعنی غیر کے جانور پر اُسے لادنے کی قدرت حاصل نہیں)

اگر جانور غیر معیّن ہو تو کفالت جائز ہوگی کیونکہ کفیل کے لیے ممکن ہے کہ وہ کم از کم اپنے جانور پر ہی یہ بوجھ لاد کر پہنچا دے اور اور اسی باربرداری کا ہی کفالت سے مستحق ہوا ہے ۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے ایک غلام کرایہ پر لیا (حالیکہ غلام معین تھا) اس کی خدمت کی ایک شخص نے کفالت کی تو یہ کفالت باطل ہو گی۔ اس کی دلیل ہم ابھی بیان کر چکے ہیں (کہ کسی معین غلام سے خدمت کا حصول کفیل کی قدرت میں نہیں اور جو فعل کفیل کی طاقت سے باہر ہو اس کی کفالت صحیح نہیں ہوتی)۔

مسئلہ :- امام قدوریؒ نے فرمایا کہ عقدِ کفالت اسی صورت میں صحیح ہوگا جب کہ مکفول لہٗ اسی مجلس میں قبول کرے۔

یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب مکفول لہٗ نے کفالت کی خبر سن کر اجازت دے دی تو صحیح ہے اور بعض نسخوں میں یہ مذکور ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اجازت بھی شرط نہیں اور یہ اختلاف کفالۃ بالنفس اور کفالۃ بالمال دونوں صورتوں میں ہے امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عقدِ کفالت اپنے اوپر ایک پابندی عائد کرنے کا تصرف ہے لہٰذا اپنے اوپر پابندی عائد کرنے والے کو مستقل حیثیت حاصل ہو گی اسے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے اس قول کی دلیل ہے جس میں اجازت کو شرط قرار نہیں دیا گیا اور اس قول کی دلیل جس میں اجازت پر توقف ہے یہ ہے جو ہم نے نکاحِ فضولی کے مسئلہ میں بیان کی ہے یعنی اگر فضولی نے عورت کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح عورت پر موقوف ہوگا کہ اگر وہ راضی ہے تو نکاح درست ہے ورنہ نہیں۔ نیز عورت کی اجازت اسی مجلس پر موقوف نہیں بلکہ مجلسِ عقد کے بعد بھی ممکن ہے)

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ عقدِ کفالت میں تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں اور وہ طالب کو مطالبے کا مالک بنانا ہے (یعنی عقدِ کفالت سے کفیل

نے مکفول لہٗ کو اپنے اوپر مطالبے کا مالک بنا دیا) تو یہ معنے کفیل اور مکفول لہٗ
دونوں سے قائم ہوں گے (لہذا مکفول لہٗ کی اجازت بھی ضروری ہو گی) اور
مجلس عقد میں جو کچھ پایا جا رہا ہے وہ عقد کا ایک حصّہ ہے لہٰذا دوسرا حصہ مجلس
کے علاوہ پر موقوف نہ ہوگا (کیونکہ عقد کے دونوں حصے اُسی مجلس تک محدود
ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بیع میں ایجاب و قبول اُسی مجلسِ عقد تک محدود ہوتے ہیں ۔)

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا مگر صرف ایک مسئلہ میں (کہ اس میں
مکفول لہٗ کی قبولیت شرط نہیں ہوتی) اور وہ یہ ہے کہ مریض اپنے وارث سے
کہے کہ میرے ذمہ جو قرض ہے آپ اُس کی میری طرف سے کفالت کرلیں۔
پس وارث نے یہ کفالت قبول کرلی حالیکہ قرضخواہ وہاں موجود نہیں ہیں تو
یہ کفالت جائز ہو گی۔ کیونکہ درحقیقت یہ وصیّت ہے اور وصیت ہونے
کی بناء پر صحیح ہے اگرچہ مریض نے مکفول لھم یعنی قرضخواہوں کا نام بھی
نہ لیا ہو اور وصیّت ہونے کی بناء پر ہی مشائخ نے فرمایا کہ یہ وصیت اس صورت
میں صحیح ہو گی جب کہ وصیّت کرنے والے کے پاس مال ہو اور یہ بھی کہا
جا سکتا ہے کہ مریض خود طالب کے قائم مقام ہے کیونکہ اُسے اس امر کی
حاجت درپیش ہے کہ اس کے کندھوں سے قرض کی ذمّہ داری کا بوجھ اُتر
جائے۔ نیز اس وصیّت میں طالبِ حق کا نفع بھی ہے جیسا کہ طالب خود حاضر
ہوتا (اور مریض کے وارث کو کہتا کہ تم کفالت قبول کرلو) ان الفاظ سے کفالت
کے صحیح ہونے اور مریض کا قبولِ شرط نہ ہونے کی یہی وجہ ہے کہ مریض نے
تحقیق اور پختہ بات کا قصد کیا ہے (کیونکہ ایسے الفاظ سے کفالت ثابت

کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اور بھاؤ وغیرہ طے کرنے کا ارادہ نہیں کیا (کہ بیع کی طرح ایجاب و قبول کو شرط قرار دیا جائے) نیز مریض کی ظاہری حالت اسی امر پر دلالت کرتی ہے (کہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں وارث کو کفیل بنا کر قرض کے بارگراں سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔ لہذا ان الفاظ سے اس کا مقصد یہی ہے کہ وارث کی کفالت کو ثابت کیا جائے۔) تو یہ معاملہ نکاح کے حکم دینے کی طرح ہو گا۔ (مثلاً کسی شخص نے اجنبی عورت سے کہا کہ تو مجھے اپنے نکاح میں دے دے گویا اپنی طرف سے عورت کو وکیل مقرر کیا اور عورت جواب میں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا تو نکاح جائز ہوگا اور یہ ضرورت نہ ہوگی کہ مرد زبان سے بھی قبول کرے)

اگر مریض نے یہی الفاظ کسی اجنبی سے کہے ہوں تو اس کے جواز اور عدم جواز میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ ایک شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اس کے ذمے کئی قرض ہیں اور وراثت میں کوئی مال بھی نہیں چھوڑا (اور نہ کوئی کفیل ہے) ازاں بعد کسی شخص نے قرض خواہوں کے لیے میت کی طرف سے کفالت کر لی تو امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں یہ کفالت درست نہ ہوگی۔ صاحبینؒ جواز کے قائل ہیں اس لیے کہ اس کفیل نے ایسے قرضے کی کفالت کی ہے جو قائم و ثابت ہے۔ کیونکہ قرض مذکور میت کی زندگی میں طالب کا حق ہونے کی حیثیت سے اس پر واجب تھا۔ اور قرض کو ساقط

کرنے والی بھی کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ اسی بناء پر وہ آخرت کے احکام کے لحاظ سے باقی رہتا ہے (یعنی مدیون سے آخرت میں بھی مؤاخذہ ہوگا اگر اس کا قرض ادا نہ کیا گیا) اور اگر کوئی شخص میت پر احسان کرتے ہوئے اس کا قرض ادا کر دے تو صحیح ہے (لہذا اگر قرض باقی نہ ہوتا تو اس کی ادائیگی کیسے صحیح ہوتی) اور اس طرح یہ قرض اس صورت میں بھی رہتا ہے جب کہ پہلے سے اس کا کوئی کفیل ہو یا اس کا کوئی مال ہو۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کفیل نے ایک ساقط قرض کی کفالت کی ہے (کیونکہ کلام لفظِ دَین میں ہے اور دین درحقیقت مال نہیں ہوتا۔ بلکہ دین کی بقاء مقروض کی بقائے مستلزم ہے اور جب محل دین ہی باقی نہ رہا تو دین ساقط ہو گیا) کیونکہ دین درحقیقت ایک فعل ہے اور اسی بناء پر وجوب کی صفت سے موصوف ہوتا ہے۔ لیکن یہ وجوب اور ذمہ داری انجام کار مال کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ حکماً مال ہے (اور مال کو مجازاً دین کہا جاتا ہے) اور مدیون کی حالت یہ ہے کہ اس ذمہ داری سے اپنی ذات کے لحاظ سے بھی عاجز ہو چکا ہے۔ اور بذریعہ خلیفہ اور نائب بھی عاجز ہے (یعنی اس نے کوئی نائب مقرر ہی نہیں کیا جو اس کی طرف سے ادا کرے) لہذا اس عجز کی صورت میں حق کی وصولی کا ثمرہ بھی فوت ہو جائے گا۔ اس مجبوری کی وجہ سے دنیوی احکام کے لحاظ سے دین ساقط ہو گیا۔

اور کسی شخص کا احسان کرنا دین کے بقاء اور وجوب پر موقوف نہیں ہوتا۔ جب دین کا کفیل موجود ہو یا میت کا مال موجود ہو تو وہ کفیل اس کے قائم

مقام ہے یا مال موجود ہونے کی وجہ سے ادائیگی تک رسائی ممکن ہے۔ لہذا وہ ذمہ داری اور وجوب ساقط نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی طرف سے ہزار درہم جو اس کے ذمہ قرض ہیں اس کے حکم سے کفالت کی پس مقروض نے کفیل کو ایک ہزار ادا کر دئے قبل اس کے کہ وہ صاحب مال کو دے تو مقروض کو یہ حق نہیں کہ کفیل سے یہ دام واپس لے۔ کیونکہ اس ایک ہزار کے ساتھ قابض یعنی کفیل کا حق متعلق ہو چکا ہے اس احتمال کے مدنظر کہ کفیل نے اس کا قرض ادا کر دیا ہو۔ لہذا جب تک یہ احتمال باقی ہے۔ مطالبہ جائز نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کسی شخص نے زکوٰۃ میں جلدی کی (یعنی سال پورا ہونے سے پہلے ادا کر دی) اور ساعی کو ادا کر دی (تو اب ساعی سے واپس نہیں لے سکتا۔ کیونکہ قابض کا حق اس زکوٰۃ کے مال کے ساتھ اس لحاظ سے متعلق ہو چکا ہے اور یہ احتمال موجود ہے کہ اس کا نصاب سال کے دوران کامل ہو) اور اس لیے بھی واپسی کا مطالبہ جائز نہیں کہ کفیل قبضہ کی بنا پر اس کا مالک بن چکا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ بخلاف اس صورت کے جب کسی قاصد کو پہنچا دینے کے لیے دیئے ہوں (تو صاحب مال تک پہنچانے سے پہلے پہلے اگر قاصد سے واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے) کیونکہ قاصد کے ہاتھ وہ چیز محض ایک امانت کی حیثیت رکھتی ہے۔

اگر کفیل نے اس مال سے تجارت کر کے نفع کمایا تو وہ نفع اسی کا ہوگا۔

وہ اس نفع کا صدقہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ قبضہ کرنے کی بنا پر مالک ہو چکا ہے۔
جب کفیل نے قرض ادا کر دیا تو ملکیت کا پایا جانا ظاہر ہے اسی طرح اگر
مقروض نے خود قرض ادا کیا تو مقروض کو کفیل سے یہ مال واپس لینے کا حق حاصل
ہو گیا (تو بھی کفیل کے لئے نفع حلال ہو گا) کیونکہ مکفول عنہ پر کفیل کا حق اس
کفالت سے اسی طرح واجب ہوا ہے جس طرح کہ اس پر طالب کا حق واجب
ہوا ہے۔ البتہ کفیل کے مطالبہ میں وقتِ اداء تک تاخیر کر دی گئی ہے۔ لہذا
یہ دینِ مؤجل کے قائم مقام ہو گا۔ (اور کفیل ادائیگی سے قبل مقروض سے مطالبہ
کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن وہ ہزار درہم جو کفیل نے مکفول عنہ سے وصول کیا تو وہ
کفیل کی ملکیت میں آگیا۔ اور مملوک چیز سے حاصل کردہ نفع جائز ہوتا ہے) اس
بنا پر اگر کفیل ادا کرنے سے پہلے مطلوب کو بَری کر دے تو صحیح ہو گا۔
(یعنی کفیل نے صاحبِ مال کو قرض ادا کر دیا پھر مقروض کو اپنا حق معاف کر
دیا تو صحیح ہے۔) پس اس طرح اگر کفیل ادا کرنے سے پہلے وصول کرلے تو
وہ مالک بھی ہو گا البتہ اس نفع میں جو ملکیت مذکورہ سے حاصل ہوا ایک طرح
کی خرابی ضرور ہے جسے ہم بیان کریں گے۔ لیکن یہ خرابی ثبوتِ ملکیت کے
ساتھ غیر متعین اشیاء میں اثر انداز نہ ہو گی۔ (اور دراہم و دنانیر بھی متعین نہیں
ہوا کرتے۔ ہم کتاب البیوع میں اس کی تفصیل بتا چکے ہیں۔

مسئلہ:۔ اگر مذکورہ مسئلہ میں ایک کُر گندم کی کفالت ہو (اور کفیل کے
ادا کرنے سے پہلے اصیل نے کفیل کو ادا کر دی) پس کفیل نے اس پر قبضہ
کر کے فروخت کر دی اور نفع کمایا تو قضاءِ قاضی کے اعتبار سے نفع کفیل

کا ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے مذکورہ بالاسطور میں بیان کیا کہ وہ گندم کا مالک قرار پائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات پسندیدہ ہے کہ کفیل نفع اسی شخص کو لوٹا دے جس نے کفیل کو وہ گندم دی تھی۔ البتہ باعتبارِ قضاء اس پر لوٹانا واجب نہیں۔ جامع صغیر کی روایت کے مطابق یہ امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ ہے۔

امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نفع کفیل کا ہوگا اور اس شخص کو نہیں لوٹائے گا جس نے گندم دی تھی اور صاحبینؒ کا یہ قول ایک روایت میں امام صاحبؒ سے بھی منقول ہے۔ (مبسوط کی کتاب البیوع میں ایسے ہی مذکور ہے)

امام صاحبؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نفع کا صدقہ کر دے (یہ روایت مبسوط کی کتاب الکفالہ میں مذکور ہے) صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفیل نے یہ نفع اپنی ملکیت میں حاصل کیا جیسا کہ مذکورہ بالاسطور میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نفع کفیل کے لیے مسلّم ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ باوجود ملکیت کے نفع میں ایک نوع کی خرابی ہے یا تو اس جہت سے کہ مکفول عنہ ایسے مرحلہ پر ہے کہ وہ یہ گندم کفیل سے واپس لے سکتا ہے اور خود اس کی ادائیگی کر سکتا ہے۔ یا اس بناء پر کہ اصیل کفیل کی ملکیت ہونے پر اس وجہ سے راضی ہوا تھا کہ کفیل ادائیگی کر دے گا۔ لیکن جب اصیل نے بذاتِ خود قرض ادا کیا تو گویا وہ کفیل کی ملکیت ہونے پر راضی نہ ہوا۔ اور خرابی ایسے اموال میں مؤثر ہوتی ہے جو تعیّن سے متعین ہو جاتے ہیں۔ (اور گندم ایسا مال ہے جو تعیین سے متعین ہو جاتا ہے)

تو ایک روایت کے مطابق اس گندم کو صدقہ میں دے دینا مناسب ہوگا اور دوسری روایت کے مطابق نفع اصیل کو واپس کر دے کیونکہ اصیل کے حق کی بنا پر ہی اس میں خرابی پیدا ہوئی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے (کہ اصیل کو واپس کر دے) مگر یہ واپسی استحباب کے درجہ میں ہے وجوب کے درجہ میں نہیں یعنی کفیل کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ کفیل کا حق ثابت ہے۔

مسئلہ :۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا جس شخص نے دوسرے کی طرف سے ہزار درہم قرض کی جو اس کے ذمہ لازم ہے اس کے حکم سے کفالت کی پھر اصیل نے کفیل کو حکم دیا کہ اس کے لیے بیع عینہ کے طور پر کوئی ریشمی کپڑا خریدے چنانچہ کفیل نے بمطابق حکم عمل کیا تو یہ بیع کفیل ہی کے لیے ہوگی اور اس بیع میں بائع جو نفع کمائے گا اس کی ذمہ داری کفیل پر ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصیل کفیل کو حکم دے کہ تم بیع عینہ کے طور پر خریدو ۔ بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی تاجر سے دس درہم بطور قرض طلب کرے لیکن تاجر مذکور قرض دینے سے انکار کر دے لیکن قرض طلب کرنے والے کے ہاتھ دس درہم کی قیمت کا کپڑا پندرہ درہم پر فروخت کر دے ۔ زائد نفع حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہوئے تاکہ قرض طلب کرنے والا اس کو دس درہم ہی پر فروخت کرے (جو اس کی اصل قیمت ہے) اور پانچ درہم کے اضافے کا متحمل ہو۔ اس قسم کی بیع کو بیع عینہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں دین سے عین کی طرف اعراض ہے۔ اس قسم کی بیع مکروہ ہے کیونکہ اس میں کسی مجبور صاحب حاجت کو قرض دینے کی

نیکی اور بھلائی سے اعراض کرتے ہوئے حرصِ مال اور بخل جیسے مذموم وصف
کی متابعت لازم آتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مکفول عنہ کا یہ قول (کہ بیع عینہ کے طور پر کوئی ریشمی
کپڑا خریدے اس طرح کہ اس کا نقصان اس پر ہو) اس خسارہ کی ضمانت ہے
جو مشتری بیع عینہ میں برداشت کرے گا۔ اس قول میں لفظ "عَلَیَّ" پر نظر کرتے
ہوئے۔ حالانکہ یہ ضمان فاسد ہے اور یہ توکیل نہیں ہے۔ (کیونکہ ضمانت اس
شے پر ہوتی ہے جو اصل پر ثابت ہو اور خسارے میں یہ صلاحیت نہیں کہ
اس کی ضمانت کی جائے اور یہ صورت توکیل کی بھی نہیں ہے کیونکہ وکالت لفظ
عَلَیَّ کے ساتھ نہیں ہوتی) بعض حضرات نے کہا کہ یہ توکیل فاسد ہے (یعنی
اصیل کا یہ قول گویا وکیل کرنے کے لیے ہے لیکن ایسی توکیل فاسد ہے)
اس لیے کہ ریشم متعین نہیں ہے (اس کے وصف کا علم نہیں اور ریشمی کپڑے
مختلف اقسام کے ہوتے ہیں) اور اسی طرح قیمت بھی معلوم نہیں کیونکہ جو کچھ
دین پر زائد ہے وہ مجہول ہے (یعنی دین معلوم ہے مگر جو مقدار اس پر زائد ہوگی
اس کا علم نہیں لہٰذا توکیل فاسد ہو گی) بہر حال جو بھی صورت ہو (توکیل فاسد
کی یا ضمانِ خسارہ کی) جو بھی خریداری ہوگی۔ مشتری کے حق میں ہو گی۔ اور وہ
کفیل ہے۔ اور بائع کا نفع یعنی اضافہ کفیل کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ وہی عقد کرنے
والا ہے۔

مسئلہ۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ جس شخص نے دوسرے کی
طرف سے کفالت کی اس چیز پر جو اس کے ذمہ واجب ہے یا ایسی چیز کی جس

کا اس پر فیصلہ کر دیا گیا ۔ پھر مکفول عنہ غائب ہو گیا ۔ مدعی یعنی مکفول لہٗ نے کفیل پر شہادت قائم کر دی کہ مدعی کے مکفول عنہ پر ہزار درہم واجب ہیں تو مدعی کے گواہ قبول نہ کئے جائیں گے ۔ (کیونکہ دعویٰ صحیح نہیں ہے) اس لیے کہ مکفول آ ایسا مال ہے جس کا فیصلہ کفالت سے پہلے ہو چکا ہے اور یہ بات لفظ قضاء کی صورت میں تو ظاہر ہے ۔ (قضاء سے مراد اصیل کا قول بِمَا قُضِیَ لَہٗ ہے) اور اسی طرح دوسرے قول (مَا ذَابَ لَہٗ) میں کیونکہ ذَابَ کے معنی تقرر و ثبوت کے ہیں اور کسی چیز کا تقرر فیصلہ ہی سے ہوتا ہے ۔ یا ان الفاظ سے وہ مال مراد ہے جس کا آئندہ فیصلہ کیا جائے گا بایں طور کہ ماضی کا صیغہ بول کر مستقبل مراد لیا جائے ۔ جیسے دعائیہ جملے میں اَطَالَ اللّٰہُ بَقَاءَکَ (اللہ تعالیٰ تیری عمر دراز کرے ۔ اس میں لفظ ماضی سے مراد مستقبل ہے) اور مدعی کا دعویٰ مطلق ہے (جس میں یہ وضاحت نہیں کہ یہ دعویٰ اس مال کا ہے جو کفالت سے پہلے ثابت تھا یا اس مال کا جس کا کفالت کے بعد فیصلہ کیا گیا) لہٰذا اس قسم کا مجہول دعویٰ صحیح نہ ہو گا۔

اگر ایک شخص نے شہادت قائم کی کہ فلاں شخص پر میرا اس قدر مال ہے۔ اور یہ شخص اس کی طرف سے اس کے حکم سے کے ساتھ کفیل ہے ۔ تو اس مال کا فیصلہ کیا جائے گا کفیل پر اور مکفول عنہ غائب پر بھی ۔ اگر یہ کفالت مکفول عنہ کے حکم کے بغیر ہو تو فقط کفیل پر فیصلہ دیا جائے گا ۔ اور شہادت اس وجہ سے قبول کی جائے گی ۔ کہ اس مسئلے میں جس مال کی کفالت کی گئی ہے وہ مالِ مطلق ہے. بخلافِ گزشتہ صورت کے (کیونکہ وہاں دعویٰ مطلق تھا اور مکفول بہٖ مقید

تھا کیونکہ اس میں شرط یہ تھی کہ جو کچھ مکفول عنہ پر ثابت ہوگا اس کا کفیل ہوگا اور
مکفول عنہ کے غائب ہونے کی صورت میں یہ ثبوت ممکن نہ تھا۔ لہذا شہادت
قبول نہ کی گئی۔) کفالۃ بالامر اور کفالۃ بغیر الامر کے احکام اس لیے مختلف
ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہیں۔ کیونکہ کفالۃ بالامر
ابتداءً تبرّع اور احسان کا درجہ رکھتی ہے۔ اور انتہاء کے لحاظ سے معاوضہ
ہے۔ (کفیل اور مکفول عنہ کے درمیان) اور کفالۃ بغیر الامر ابتداء اور انتہاء
دونوں لحاظ سے تبرّع اور احسان ہے۔ (کسی لحاظ سے معاوضہ نہیں) تو ایک
قسم کی کفالت کا دعویٰ کرنے سے دوسری قسم کی کفالت کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا۔

جب شہادت کی بناء پر کفالۃ بالامر کا فیصلہ کر دیا گیا تو مکفول عنہ کا حکم
دینا ثابت ہو جائے گا۔ جو مکفول عنہ کی طرف سے اس مال کے اقرار کو متضمن ہے
پس اصیل غائب ہی وہ شخص ہوگا جس پر مال کے لازم ہونے کا فیصلہ کیا گیا۔
(لہٰذا کفیل کو ادائیگی کے بعد اصیل سے رجوع کرنے کا حق ہوگا۔) اور کفالۃ
بغیر الامر اصیل غائب پر کسی طرح سے بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔ کیونکہ کفیل
کے گمان میں کفالت کا صحیح ہونا قرض کے ثابت ہونے پر موقوف ہے
لہٰذا یہ ذمہ داری کفیل سے کسی اور کی طرف متعدی نہ ہوگی۔

اور کفالۃ بالامر کی صورت میں کفیل نے جو کچھ ادا کیا ہے اس کے مطالبہ کیلئے حکم دینے
والے کی طرف رجوع کرے گا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کفیل اصیل سے رجوع نہیں کریگا۔
کیونکہ کفیل نے جب مدعی کے دعویٰ سے انکار کیا تو اس کے گمان کے لحاظ سے اس پر
ظلم ہوا ہے۔ اب اس کا دوسرے پر ظلم کرنا صحیح نہ ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ شہادت قائم ہونے کی بناء پر کفیل کو اپنے انکار میں شرعی طور پر کاذب قرار دیا گیا لہٰذا جو کچھ اس کے گمان میں تھا وہ باطل ہو گیا۔ (تو قضاءِ قاضی کے بعد نہ اس کا انکار درست ہوا اور نہ وہ مظلوم ثابت ہوا۔)

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ ایک شخص نے مکان فروخت کیا اور ایک شخص بائع کی جانب سے کفیل بالدرک ہو گیا۔ (یعنی اس نے مشتری کو یقین دلایا کہ یہ مکان بائع کی ذاتی ملکیت ہے اگر کوئی اس کا دوسرا حق دار ہو تو میں ضامن ہوں) تو یہ کفیل کی طرف سے بائع کی کی ملکیت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ کفالت اگر بیع میں مشروط ہو (یعنی بشرطِ کفالت بیع کی گئی) تو کفیل کے قبول کرنے سے ہی بیع کی تکمیل ہو گی۔ پھر اگر کفیل یہ دعویٰ کرے کہ مکان میری ملکیت ہے تو وہ اس دعویٰ سے ایسے عقد کو توڑنا چاہتا ہے جو اسی کی طرف سے پایۂ تکمیل تک پہنچا ہے۔ (لہٰذا اس تناقض کی بناء پر دعویٰ قابلِ قبول نہ ہوگا۔)

اگر کفالۃ بالدرک اس بیع کے اندر مشروط نہ ہو تو کفالت سے مراد یہ ہو گی کہ بیع مستحکم ہو جائے اور مشتری کو اس سودے میں رغبت پیدا ہو۔ کیونکہ اس امر کا احتمال موجود ہے کہ شاید مشتری کفالت کے بغیر اس سودے میں راغب نہ ہو تو عقدِ کفالت اس اقرار کے قائم مقام ہوگا کہ یہ مکان بائع کی ذاتی ملکیت ہے)

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ اگر اس شخص نے مکان کی بیع پر شہادت دی۔ یادستاویز پر مہر لگائی لیکن کفالت قبول نہ کی تو یہ

بائع کی ملک کو تسلیم کرنا نہ ہوگا۔ اور یہ شاہد اپنے دعوی پر رہے گا (یعنی اگر وہ بیع کے بعد اپنی ملکیت کا دعوی کر دے تو کر سکتا ہے یا اگر کوئی دوسرا ملکیت کا دعوی کر دے تو اس کی جانب سے بھی ملکیت کی شہادت دے سکتا ہے) کیونکہ شہادت ایسی چیز نہیں ہے جو بیع میں مشروط ہو اور نہ یہ شہادت ملکیت کا اقرار ہے کیونکہ بیع کا صدور کبھی تو مالک سے ہوتا ہے اور کبھی غیر کی طرف سے (مثلاً وکیل یا فضولی) اور شاید اس نے شہادت اس غرض سے تحریر کی ہو کہ یہ واقعہ اُسے یاد رہے۔ بخلاف مسئلہ گزشتہ کے (کیونکہ کفالۃ بالدرک بائع کی ملکیت کے اقرار کے مترادف ہے)۔

شارح فرماتے ہیں جب بیع نامہ میں لکھا گیا کہ جب یہ مکان کو فروخت کیا گیا تو یہ بائع کی ذاتی ملکیت تھا یا بائع نے قطعی اور نافذ بیع کے ساتھ فروخت کیا اور گواہ نے شہادت تحریر کی کہ وہ اس کا گواہ ہے تو یہ شہادت گواہ کی طرف سے تسلیم شمار ہوگی (کہ یہ مکان بائع کی ذاتی ملکیت ہے)

اگر گواہ نے متعاقدین کے اقرار کی شہادت تحریر کی (کہ متعاقدین نے میرے سامنے ایجاب وقبول کیا ہے تو یہ تسلیم شمار نہ ہوگی)

فَصۡلٌ فِی الضَّمَانِ

(ضمان کے بیان میں)

(کفالت وضمانت مترادف لفظ ہیں لیکن جامع صغیر میں چند
مسائل ایسے مذکور ہیں جن میں کفالت کی بجائے ضمانت کا لفظ
استعمال کیا گیا ہے لہٰذا مصنف ہدایہ نے ان مسائل کو ضمان
کی فصل کے تحت ذکر فرمایا)

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے
کے لیے ایک کپڑا فروخت کیا اور اس کی قیمت کا ضامن بن گیا یا مضارب
نے رب المال کے مال کی ضمانت کرلی تو ضمانت باطل ہوگی کیونکہ کفالت
یعنی ضمانت مطالبہ کا التزام ہے اور مطالبہ کا حق ان دونوں یعنی بائع اور مضارب
کی طرف راجع ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک اپنی ہی ذات کا ضامن بنا
دوسری بات یہ ہے کہ مال ان دونوں یعنی بائع اور مضارب کے ہاتھ
میں بطورِ امانت ہے۔ اور ان کا ضامن بنا حکم شرع میں تغیر کرنا ہوگا تو ان
میں سے ہر ایک کا تغیر کرنا غلط ہوگا۔ جیسے مودع اور مستعیر پر ضمانت کی شرط
عائد کرنا باطل ہے۔ (مثلاً ا نے اپنا مال ب کے پاس ودیعت رکھا اور شرط

لگائی کہ اگر یہ مال تلف ہو تو تو ضامن ہے۔ تو یہ شرط باطل ہوگی یا ا نے ب سے کوئی چیز مستعار لی۔ ب نے کہا کہ تلف کی صورت میں تو ضامن ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی۔)

اس طرح اگر دو آدمیوں نے ایک غلام ایک ہی سودے میں فروخت کیا اور ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کے لیے اس کی قیمت کے حصّے کی ضمانت دی (تو یہ ضمانت باطل ہے کیونکہ اگر شرکت کے ہوتے ہوئے بھی ضمانت صحیح ہو تو وہ اپنی ہی ذات کا ضامن ہوگا۔ (اس لیے کہ قیمت کا ہر جزء دونوں میں مشترک ہے تو گویا وہ خود ہی مطالبہ کا مستحق بھی ہوا اور خود ہی مطلوب بھی) اور اگر یہ ضمانت صرف اس کے ساتھی کے حصّہ میں صحیح قرار دی جائے تو قبضہ سے پہلے قرضے کی تقسیم لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب اس غلام کو دو سودوں میں فروخت کریں (تو ایک کا دوسرے کے لیے ضامن ہونا درست ہوگا۔) کیونکہ اب شرکت مفقود ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مشتری کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کے حصّے میں بیع قبول کرے اور جب اس کے حصّے کی قیمت ادا کر دے تو اس کے حصہ پر قبضہ کر لے اگرچہ کُل کی بیع قبول کی ہو۔

مسئلہ ۹۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے کی طرف اس کے خراج۔ اس کے ٹیکس یا اُس کے حصّے کا ضامن بنا تو جائز ہے۔ خراج کے بارے میں تو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں (کہ خراج میں رہن و کفالت دونوں جائز ہیں) خراج کا معاملہ زکوٰۃ کے خلاف ہے کیونکہ زکوٰۃ

صرف ایک فعل کا نام ہے (جو قربت کے لحاظ سے انسان کے عمل سے تعلق رکھتا ہے۔) اسی بنا پر اس کے مرنے کے بعد اس کی وصیّت کے بغیر اس کے ترکہ سے ادا نہیں کی جاتی۔

اگر نوائب یعنی ٹیکسوں سے ان مصارف کا ارادہ کیا جائے جو ضروری اور حق ہیں۔ مثلاً مشترک نہر کی کھدائی اور چوکیدار کی اُجرت اور ہر ایک پر اپنے حصے کے مطابق لازم کردہ مال لشکرِ اسلام کی تیاری اور مسلمان قیدیوں کے فدیہ کے لیے اور اسی طرح کے دوسرے عمومی مصارف (جن کا مسلمانوں کے رفاہِ عامہ سے تعلق ہے) تو ایسے مصارف کی کفالت بالاتفاق جائز ہے اور اگر نوائب سے وہ ٹیکس مراد لیے جائیں جو شرعی نقطۂ نظر سے عوام کے متعلق نہیں جیسے کہ وہ ناحق ٹیکس جو ہمارے زمانے میں وصول کئے جاتے ہیں اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ (ایسے ٹیکس بالاتفاق عدل کے خلاف ہیں بعض ائمہ کے نزدیک ان میں کفالت جائز ہے اور بعض کے نزدیک نہیں) ان ائمہ میں سے جو صحتِ جواز کی طرف میلان رکھتے ہیں فخرالاسلام علی البزدوی بھی ہیں۔

رہا قسمت کا مسئلہ تو بعض اصحاب نے کہا کہ یہ بعینہٖ نوائب ہیں یا نوائب کا کچھ حصہ ہیں تو اس لحاظ سے متن میں روایت لفظ "اَوْ" کے ساتھ ہوگی۔ (اور بعینہٖ نوائب مراد ہونے کی صورت میں روایت "و" مناسب ہوگی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قسمت سے مراد وہ نوائب ہیں جو متعین و مقرر ہیں۔

(مثلاً وہ ٹیکس جو ماہانہ یا سہ ماہی یا سالانہ ادا کیے جاتے ہیں) اور نوائب سے وہ مالی مصارف مراد ہیں جو نہ تو مقرر ہوں اور نہ دائمی ہوں (بلکہ اچانک کسی پل وغیرہ ٹوٹنے پر لوگوں سے وصول کیے جائیں۔ ان کا حکم وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ (کہ نوائب میں ضمانت وکفالت متفقہ طور پر صحیح ہے اور ناجائز محاصل کی کفالت میں ائمہ کا اختلاف ہے)

مسئلہ:۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ ایک ماہ کے وعدے پر مجھ پر تمہارے سو روپے قرض ہیں وہ شخص جس کے لیے اقرار کیا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ سو نقد ہیں (یعنی کی ادائیگی فی الحال واجب ہے) تو اس صورت میں نقد کا دعویٰ کرنے والے کا قول معتبر ہوگا۔

اور جس شخص نے کہا کہ میں تیرے لیے فلاں شخص کی طرف سے سو روپے کا ایک ماہ کے لیے ضامن ہوں اور مُقِرّ لہٗ نے کہا کہ یہ سو نقد ہیں تو حلف کے ساتھ بات ضامن کی قابلِ تسلیم ہوگی۔

دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں اقرار کرنے والے نے قرض کا اقرار کیا پھر اپنے واسطے ایک حق کا دعویٰ کیا اور وہ ایک وقت تک مطالبہ کی تأخیر ہے اور دوسرے مسئلہ میں کفیل نے دین کا اقرار نہیں کیا۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق کفیل پر قرض نہیں ہوتا بلکہ کفیل نے ایک ماہ بعد صرف حقِ مطالبہ کا اقرار کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرض میں مدت کا ہونا ایک عارضی چیز ہے، جس کا ثبوت شرط کے سوا نہیں ہوتا تو قسم کے ساتھ اس شخص کا قول معتبر ہوگا۔

جو شرط سے انکار کرے جیسا کہ خیار میں ہوتا ہے۔ (یعنی بیع میں خیار ایک عارضی شے ہے اور بیع میں بائع یا مشتری نے خیار کے شرط ہونے کا دعویٰ کیا تو قسم کے ساتھ منکر کا قول قابل تسلیم ہوگا۔)

رہی کفالت میں مدت کی بات (تو یہ خلاف اصل نہیں) کیونکہ کفالت میں مدت اس کی ایک قسم ہے حتیٰ کہ بغیر شرط کے بھی کفالت میں مدت ثابت ہو جاتی ہے بایں طور کہ قرض ہی مکفول عنہ پر مؤجل ہو۔

امام شافعیؒ مسئلہ کفالت کو اقرار دین کے ساتھ لاحق کرتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ جیسا کہ ان سے مروی ہے اقرار دین کو مسئلہ کفالت سے لاحق کرتے ہیں اور دونوں مسئلوں میں فرق وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔

مسئلہ: امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ اگر ایک شخص نے جاریہ خریدی اور ایک شخص مشتری کے لیے کفیل بالدرک ہوگیا۔ مگر وہ جاریہ کسی تیسرے شخص کی مملوک ثابت ہوئی تو مشتری کفیل سے مؤاخذہ نہ کرے گا جب تک کہ بائع پر قیمت کی واپسی کا فیصلہ نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ صرف استحقاق ثابت ہونے کی بناء پر ظاہر روایت کے مطابق بیع فسخ نہیں ہوتی جب تک بائع کے خلاف قیمت کی واپسی کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ تو جب اصیل یعنی بائع پر ہی قیمت کی واپسی کا فیصلہ نہیں ہوا تو کفیل پر واپسی کیسے لازم ہوگی۔ بخلاف حریت کے فیصلے کے (یعنی جاریہ نے دعویٰ کیا کہ میں تو آزاد عورت ہوں اور اس امر پر شہادت بھی قائم ہوگئی اور قاضی نے اس کی حریت کا فیصلہ کر دیا تو کفیل پر مطالبہ رجوع کا حق ثابت ہوگیا اگرچہ بائع کے خلاف قیمت کی واپسی کا حکم

نہیں دیا گیا) کیونکہ حریت کے فیصلے سے بیع باطل ہو جائے گی اس لیے کہ آزاد عورت محلِ بیع نہیں ہوتی تو مشتری بائع اور کفیل سے رجوع کرے گا (یعنی بائع سے وصول کرے یا کفیل سے)۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ بیع استحقاق کی وجہ سے بھی باطل ہو جاتی ہے لہٰذا امام ابو یوسفؒ کے قول پر قیاس کرتے ہوئے مشتری صرف استحقاق کی بنا پر ہی کفیل سے مطالبہ کر سکے گا (خواہ ابھی تک بائع کے خلاف قیمت کی واپسی کا فیصلہ نہ ہوا ہو۔)

مسئلہِ استحقاق کی تفصیل امام محمدؒ کی اصل ترتیب میں کتاب الزیادات کے ابتدائی ابواب میں موجود ہے۔

مسئلہ ۹۔ ایک شخص نے غلام خریدا اور ایک مشتری کے لیے اس کے عہدہ کا ضامن ہوا تو بالاتفاق ضمانت باطل ہو گی۔ کیونکہ لفظ عہدہ مشتبہ ہے (اس کے متعدد معانی ہیں) کبھی تو اسے قدیم دستاویز کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور وہ بائع کی ملکیت میں ہے۔ جس کی ضمانت صحیح نہیں ہوتی۔ (کیونکہ وہ بائع کی ملک میں ہے ضامن کو اس پر قدرت نہیں ہوتی تو اس کے دلانے کی ضمانت کیسے درست ہو گی اور گاہے اس کا اطلاق عقد پر اور اس کے حقوق پر ہوتا ہے اور کبھی درک یعنی غیر بائع کی ملک ثابت ہو جانے کی صورت میں اس کی قیمت کی ذمہ داری پر اور گاہے خیار شرط پر۔

اور ان معانی میں سے ایک معنی پر عمل کرنے کی وجہ بھی موجود ہے۔ لہٰذا متکلم کے بیان کے بغیر کہ اس نے کون سا معنی مراد لیا ہے اور اس پر عمل کرنا

متعذّر ہو گا۔ بخلاف ضمان بالدرک کے کیونکہ درک کا استعمال عموماً ضمانِ استحقاق کے معانی میں ہوتا ہے (اور یہ ضمانت صحیح ہوگی)

مسئلہ :۔ اگر کسی نے خلاصی کی ضمانت دی ۔ (کہ میں بائع سے غلام کی گلو خلاصی کرا کے تجھے لادوں گا) تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درست نہ ہوگی۔ کیونکہ ضمانِ خلاص کا مطلب یہ ہے کہ مبیع کو بائع سے چھڑا کر مشتری کے سپرد کرنا ہر حال میں اور کفیل کو اس بات کی قدرت نہیں (ممکن ہے خرید کردہ غلام آزاد شخص ہو یا مبیع تلف ہو جائے تو عدمِ قدرت کی بناء پر ضمانت کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟)

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضمان الخلاص بمنزلۂ ضمانِ درک ہے کہ قدرت کی صورت میں کفیل مبیع کو مشتری تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے اور عدمِ قدرت کی صورت میں مبیع کی قیمت کا ذمہ دار ہے۔ پس ضمان صحیح ہے ۔

بَابُ كَفَالَةِ الرَّجُلَيْنِ

(دو شخصوں کی کفالت کے بیان میں)

مسئلہ ۱:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہے جیسا کہ دونوں مشترکہ طور پر ہزار درہم میں ایک غلام خریدیں تو دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کی طرف سے کفالت کی ہوگی بس دونوں میں جس نے جو کچھ ادا کیا، وہ اپنے ساتھی سے واپس نہیں لے سکتا۔ ہاں اگر اس کا ادا کردہ نصف سے زیادہ ہو تو اضافے کے لیے رجوع کر سکتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نصف حصے میں اصیل ہے اور نصف دیگر میں کفیل ہے۔ اور اس پر کچھ بحقِ اصالت واجب ہے اور جو کچھ بحقِ کفالت واجب ہے۔ دونوں میں کوئی معارضہ نہیں کیوں کہ پہلا بحقِ اصالت قرض ہے اور دوسرا بحقِ کفالت مطالبہ ہے اور ثانی یعنی کفالت اوّل اصالت کے تابع ہے تو جو کچھ ادا کیا یہ اصالت کے لحاظ سے ادائیگی ہوگی اور اس سے زائد مقدار کی ادائیگی چونکہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں کفالت سے شمار ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر نصف مقدار ادا کردہ اپنے ساتھی کی طرف سے ہو تو وہ ساتھی سے رجوع کرے گا۔ اور ساتھی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ پہلے سے رجوع کرے کیونکہ اس کے نائب یعنی کفیل کا ادا کرنا اس کے ادا کرنے کی طرح ہے۔ لیکن اس صورت میں دَوْر مستلزم ہوگا (اور رجوع میں کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔)

مسئلہ:۔ اگر دو شخصوں نے ایک شخص کی طرف سے مال کی کفالت کی اس شرط پر کہ ہر کفیل دوسرے کی طرف سے بھی کفیل ہے تو جس قدر دونوں میں سے ایک نے ادا کیا اس کا نصف اپنے ساتھی سے لے گا قلیل ہو یا کثیر۔ صحیح قول کے مطابق مسئلے کا مطلب یہ ہے کہ اصیل کی طرف سے پورے مال کی کفالت کی اور ہر ایک نے دوسرے کی طرف سے بھی کل مال کی کفالت کی اور پورے مال کا مطالبہ ہر ایک سے الگ الگ ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، دو کفالتوں کا اجتماع ہے (کفالۃ عن الاصیل اور کفالۃ عن الکفیل) اور کفالت کا مقتضیٰ التزام مطالبہ ہے تو کفیل سے بھی کفالت اسی طرح صحیح ہوگی، جس طرح اصیل سے کفالت صحیح ہوتی ہے اور جس طرح کہ محتال علیہ کی طرف سے کسی دوسرے پر حوالہ صحیح ہوتا ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو ثابت ہوا کہ ان میں ایک شخص جو کچھ ادا کرے گا وہ دونوں کی طرف سے مشترک ہوگا۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہے وہ بطور کفالت ہے اور کسی خاص مقدار کو دوسری مقدار پر کوئی وجہِ ترجیح حاصل نہیں بخلاف گزشتہ مسئلے کے (کیونکہ گزشتہ صورت میں ہر ایک نصف میں کفیل اور نصف میں مقروض ہے اور نصف کی ادائیگی سے زائد کی صورت میں رجوع کر سکتا تھا۔ کیونکہ نصف حصہ

تک ادائیگی بحق قرض تھی اور نصف سے زائد بحقِ کفالت) اور اس مسئلے میں ہر ایک اپنے شریک سے ادا کی ہوئی مقدار کے نصف کا رجوع کرے گا اور اس صورت میں دور بھی متلزم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کفالت کا مقتضیٰ دونوں کے درمیان برابری اور مساواۃ پر ہے۔

اور یہ مساواۃ اس صورت میں حاصل ہو جائیگی۔ جب ان میں سے ایک اداکردہ مقدار کے نصف کا اپنے ساتھی سے رجوع کرے گا اور دوسرے کے پہلے کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں بھی مساواۃ نہیں ٹوٹے گی بخلاف گزشتہ مسئلہ کے اکہ گزشتہ صورت میں اس وقت رجوع ممکن نہیں ہوتا جب تک کہ ادائیگی نصف سے زائد نہ ہو) پھر یہ دونوں کفیل اصل مقروض سے رجوع کریں گے۔ کیونکہ دونوں نے اصیل کی طرف سے ادا کیا ہے ایک نے تو بذاتِ خود ادا کیا اور دوسرے نے اپنے نائب یعنی کفیل کے ذریعے سے ادا کیا۔

ان میں سے ادا کرنے والا اگر چاہے تو پورے مال کے سلسلے میں مکفول عنہ سے رجوع کرے۔ کیونکہ اس نے مکفول عنہ کی طرف سے اسی کے حکم سے پورے مال کی کفالت کی ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب رب المال نے دو کفیلوں میں سے ایک کو بری کر دیا تو دوسرے کو پورے مال کے مطالبے میں ماخوذ کر سکتا ہے۔ کیونکہ کفیل کی براءۃ اصیل کی براءۃ کی موجب نہیں ہوتی۔ (بلکہ اصیل بدستور مقروض ہوتا ہے) تو اصیل پر کل مال باقی ہوگا اور دوسرا کفیل اس کی طرف سے پورے مال کا کفیل ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا لہٰذا اصیل اس دوسرے کفیل کو ماخوذ

کر سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ جب دو شریک جو شرکت مفاوضہ کی بنا پر تجارت کرتے تھے، الگ الگ ہو گئے (شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو شخص برابر سرمائے کے ساتھ تجارت کریں اور دونوں عقل و دانش دین و حریت وغیرہ میں مساوی درجہ رکھتے ہوں) تو قرضخواہوں کو حق حاصل ہے کہ دونوں میں سے جسے چاہیں اپنے پورے قرضہ کے لیے ماخوذ کریں۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی طرف سے کفیل ہے۔ کتاب الشرکۃ میں اس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے اور ان میں ادا کرنے والا اپنے ساتھی سے رجوع نہیں کرے گا جب تک کہ وہ نصف سے زائد ادا نہ کرے۔ ان دو دلیلوں کی بنا پر جو دو شخصوں کی کفالت کے مسئلے میں بیان کی گئی ہیں۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ جب دو غلاموں کو ایک ہی عقد کتابت میں مکاتب بنایا گیا اور ان غلاموں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کی طرف سے کفالت کی پس ہر وہ چیز جو ان میں سے ایک ادا کرے گا اس کا نصف اپنے ساتھی سے لے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقد کفالت بطور استحسان جائز ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کو اصیل قرار دیا جائے مثلاً ہزار درہم اس پر واجب ہونے میں (یعنی دونوں کی کتابت کا کل مال مثلاً ہزار درہم ہر ایک پر بطور اصالت واجب کیا جائے یہ نہیں کہ ہر ایک ہزار کے نصف میں اصیل ہو اور نصف میں کفیل۔ اگر دونوں مکمل رقم ادا کریں گے تو آزاد ہوں گے ورنہ غلام رہیں گے۔) تو دونوں کی آزادی اس مقدار کی ادائیگی

کے ساتھ مشروط ہوگی اور ہر ایک کو اپنے ساتھی کے حق میں ہزار درہم کا کفیل ٹھیرایا جائے گا ہم ان شاء اللہ اس کی تفصیل کتاب المکاتب میں بیان کریں گے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو جو مقدار ایک نے ادا کی اس کے نصف کے لیے اپنے ساتھی سے رجوع کرے گا۔ کیونکہ ذمہ داری کے لحاظ سے دونوں مساوی ہیں اور اگر تمام ادا کردہ مقدار کے لیے رجوع کرے یا رجوع ہی نہ کرے تو مساوات متحقق نہ ہوگی۔

فرمایا کہ اگر دونوں غلاموں سے ابھی تک کسی نے کچھ بھی ادا نہیں کیا، حتیٰ کہ مولیٰ نے ایک کو آزاد کر دیا تو یہ عتق جائز ہوگا۔ کیونکہ آقا کا یہ تصرّف اپنی ملک پر واقع ہو رہا ہے۔ اور یہ غلام معاوضہ کتابت کے نصف حصہ سے بری ہو جائے گا کیونکہ اس نے مال کی ذمہ داری اپنے اوپر اسی بناء پر لازم کی تھی کہ مال اس کی آزادی کا وسیلہ بن سکے اور جب مال بطورِ وسیلہ باقی نہ رہا تو ساقط ہو جائے گا اور دوسرے مکاتب پر نصف باقی رہے گا کیونکہ مال مذکور درحقیقت ان دونوں کے رقبہ (یعنی ذات) کے بالمقابل تھا۔ اور ہر مکاتب کے ذمہ اس لئے لازم قرار دیا گیا تھا تاکہ ضمان اور کفالت کے صحیح ہونے کا حیلہ پیدا ہو سکے۔ جب ایک آزاد ہوگیا تو حیلہ کی ضرورت نہ رہی پس مال کا دونوں کے رقبہ کے مقابل اعتبار کیا گیا تھا لہٰذا وہ نصف نصف کے حساب سے ہوگا ملآزاد شدہ کا نصف ساقط ہوگیا اور دوسرے کے ذمہ نصف باقی رہا۔)

اور آقا کو یہ اختیار ہے کہ جو آزاد نہیں ہوا اس کے نصف حصہ کے لیے

دونوں میں سے جسے چاہے ماخوذ کرے ۔ آزاد شدہ کو کفالت کی جہت سے اور اس کے ساتھی کو اصالت کی جہت سے ۔ پس اگر آقا نے آزاد شدہ کو پکڑا تو وہ اپنے ساتھی سے ادا کردہ مقدار واپس لے گا کیونکہ وہ اپنے ساتھی کی طرف سے اُس کے حکم سے ادا کرنے والا ہے اور اگر آقا دوسرے غلام کو ماخوذ کرے تو وہ آزاد شدہ سے کوئی چیز واپس نہ لے سکے گا کیونکہ اس دوسرے نے اپنی ذات کے لیے ادا کیا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

بَابُ كَفَالَةِ الْعَبْدِ وَعَنْهُ

(غلام کے کفیل ہونے یا اس کی طرف سے کفیل ہونے کا بیان)

الجامع الصغیر میں امام محمدؒ نے فرمایا اگر کسی شخص نے غلام کی طرف سے ایسے مال کی ضمانت دی جو اس پر واجب نہیں ہے یہاں تک کہ اُسے آزاد کر دیا جائے اور کفیل نے یہ صراحت نہ کی کہ وہ مال نقد ہے یا ادھار، تو یہ نقد کی ضمانت ہوگی۔ کیونکہ وجوب کا سبب پائے جانے اور ذمہ داری قبول کرنے کی وجہ سے مال فی الحال ہی غلام پر لازم ہے۔ البتہ اس کی تنگدستی کی وجہ سے اُس سے مطالبہ نہیں کیا جا رہا تھا کیونکہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ آقا کی ملک ہے اور آقا اس امر پر راضی نہیں کہ اُسی وقت غلام پر قرض کی ذمہ داری لاحق ہو البتہ کفیل تنگ دست نہیں ہے (کہ اس کے حق میں کوئی چیز مانع ہو) تو اس کی مثال ایسے ہی ہوگی جیسا کہ ایک شخص کسی غائب شخص یا دیوالیہ کی طرف سے کفالت کرے (تو کفیل فی الحال ہی ماخوذ ہوتا ہے) بخلاف دینِ مؤجل کے (کہ اس صورت میں مدتِ مقررہ کے گزرنے پر کفیل کو ماخوذ کیا جاتا ہے) کیونکہ مطالبہ ایک مؤخر کرنے والے سبب کی وجہ سے مؤخر کیا جاتا ہے کفیل جب ادائیگی کر دے تو غلام سے اس کی آزادی کے بعد رجوع کرے گا

کیونکہ اصل طالب بھی اس سے آزاد ہونے کے بعد ہی مطالبہ کرتا۔ اسی طرح کفیل بھی عتق کے بعد مطالبہ کرے گا کیونکہ وہ طالب کا قائم مقام ہے۔

مسئلہ :۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں ذکر کیا کہ کسی شخص نے غلام پر مال کا دعویٰ کیا اور ایک شخص نے مدعی کے لیے مدعا علیہ کے نفس کی کفالت کر لی لیکن غلام مر گیا تو کفیل بَری ہو گیا۔ کیونکہ اصیل بَری ہو چکا ہے۔ جیسا کہ کفیل اس صورت میں بھی بَری ہو جاتا جب کہ وہ شخص آزاد ہوتا جس کے نفس کی کفالت کی۔

مسئلہ :۔ امام محمد نے الجامع الصغیر میں فرمایا اگر مدعی نے غلام کے رقبہ کا دعوے کیا اور ایک شخص نے غلام کی کفالت کر لی پھر غلام مر گیا مدعی نے کفیل پر شہادت قائم کر دی کہ وہ اس کا مملوک تھا تو کفیل اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مولیٰ (یعنی قابض) کے ذمے اس غلام کا واپس کرنا واجب ہے اس طرح کہ اس غلام کے قائم مقام اس کی قیمت ہو۔ (جب کہ واپسی کا امکان نہ رہے) اور کفیل نے اپنے اوپر عقدِ کفالت کی وجہ سے لازم کر لی ہے۔ غلام کے مر جانے کے بعد اصیل قابض پر قیمت واجب ہوتی ہے تو اسی طرح کفیل پر بھی ہوگی بخلاف مسئلہ اوّل کے (کہ اس میں رقبہ غلام کی کفالت نہیں ہوتی بلکہ زندہ غلام کو حاضر کرنے کی کفالت ہوتی ہے اور جب بوجہ موت غلام سے حاضری ساقط ہو گئی تو کفیل سے حاضر کرنا بھی ساقط ہوگا۔ عنایہ شرح ہدایہ)

مسئلہ ۹۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا کہ اگر غلام نے اپنے آقا کی طرف سے اس کے حکم کے ساتھ کفالت کی پھر اس غلام کو آزاد کر دیا گیا اور اس نے مالِ کفالت ادا کر دیا یا آقا نے غلام کی طرف سے کفالت کی تھی۔ اور غلام کے آزاد ہونے کے بعد آقا نے مالِ کفالت ادا کیا تو آقا و غلام میں سے کوئی بھی دوسرے سے کچھ واپس نہیں لے سکتا۔ امام زفرؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کو اپنے ساتھی سے واپس لینے کا اختیار ہے۔

وجہِ اول (یعنی غلام کا اپنے آقا کی طرف سے اس کے حکم سے کفالت کرنا) کے معنی یہ ہیں کہ غلام پر ایسا قرض نہ ہو (جو اس کی مالیت کو محیط ہو) تاکہ اپنے آقا کی طرف سے اس کے حکم سے اس کا کفیل بالمال ہونا صحیح ہو سکے۔ رہی یہ صورت کہ آقا کا اپنے غلام کی طرف سے کفیل بننا تو یہ ہر حالت میں صحیح ہے۔ (کفالت بالنفس ہو یا کفالت بالمال اور غلام پر قرض ہو یا نہ۔)

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز رجوع کو واجب کرنے والی ہے وہ متحقق ہو چکی ہے اور وہ آقا کے حکم سے کفالت ہے اور جو چیز رجوع کی راہ میں حائل تھی وہ غلامی تھی جو آزادی سے زائل ہو چکی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ کفالت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ رجوع کو واجب کرنے والی نہیں ہے۔ کیونکہ آقا اپنے غلام پر قرضہ کا مستحق نہیں ہوتا ہے اور اسی طرح غلام بھی اپنے آقا پر قرضے کا مستحق نہیں ہوتا۔ پس یہ کفالت ایسی حالت کی طرف ہرگز نہیں لوٹے گا جو رجوع کو واجب کرنے والی ہو۔ جیسا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے اس کے حکم کے بغیر کفالت

کرے اور مکفول عنہ اُسے کفالت کی اجازت دے دے ۔ (تو اس صورت میں بھی کفیل ادائیگی کے بعد واپسی کا حق دار نہیں ہوتا کیونکہ جب ابتداء میں موجبِ رجوع نہ تھی تو ایسی حالت کی طرف نہ لوٹے گی جو رجوع کو واجب کرنے والی ہو)۔

مسئلہ :۔ مالِ کتابت کی کفالت جائز نہیں خواہ اس مال کی کفالت کوئی آزاد شخص قبول کرے یا غلام ۔ کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو منافات کے باوجود ثابت ہے (یعنی غلام ہونا اور اس پر مالک کا قرض ہونا دو منافی امر ہیں اور مالِ کتابت سے اگر ایک روپیہ بھی باقی ہو تو غلام ہوتا ہے اور باوجود غلام ہونے کے مالِ کتابت اس پر آقا کی طرف سے قرض ہوتا ہے) لہٰذا صحتِ کفالت کے معاملے میں اس کا دین ہونا ظاہر نہ ہوگا اور اس لحاظ سے بھی دین شمار نہ ہوگا کہ اگر مکاتب نے اپنے آپ کو عاجز کر دیا تو یہ دین ساقط ہو جائے گا۔

صاحبِ ہدایہ متن والے مسئلہ کی دوسری دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کفیل کے ذمہ اس طور پر اس دین کا ثابت کرنا ممکن نہیں (کہ جب چاہے، ساقط کر دے اور خود عاجز بن جائے کیونکہ کفیل کسی کا مملوک نہیں ہوتا) اور کفیل کے ذمہ اس قرض کو مطلقاً ثابت کر دینا ضم (یعنی ملانے) کے معنی کے منافی ہے۔ کیونکہ کفالت کی شرط میں سے یہ بھی ہے کہ ذمہ میں اتحاد ہو (اور اس دین کو مطلقاً کفیل کے ذمہ ثابت کرنے سے اتحاد نہیں رہتا کہ عبدِ مکاتب کے ذمہ یہ بدلِ کتابت ہر حال میں فرض نہیں بلکہ صرف اسی صورت میں جب کہ وہ ادا کرنے پر قادر ہو) امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق بدل سعایہ کا حکم

مالِ کتابت کی طرح ہے کیونکہ امام کے نزدیک وہ غلام جو ماموربالسعایہ ہے
عبد مکاتب کی طرح ہوتا ہے ۔ (اگر کسی غلام کا نصف یا بعض حصہ آزاد کر دیا
جائے تو غلام باقی حصّے کے بدلے محنت اور کمائی کر کے آقا کو ادا کرے تاکہ
آزادی حاصل کر سکے تو غلام کی اس اس کمائی کو بدلِ سعایہ کہا جاتا ہے)۔

کتاب الحوالۃ

(حوالہ کے بیان میں)

حوالہ معنوی طور پر نقل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مقروض اداءِ قرض کی ذمہ داری کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دے اور خود بری الذمہ ہو جائے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ حوالہ سے مقروض قرض سے بھی بری ہو جاتا اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مطالبہ سے بری ہوگا۔ اصل قرض سے بری نہ ہوگا۔ چند اصطلاحات یہ ہیں۔ مثلاً ا پر ب کا ہزار روپیہ قرض ہے ا نے ج سے حوالہ کر لیا اور ج نے قبول کر لیا۔ ا کو محیل کہا جاتا ہے اور ج کو محتال علیہ کہتے ہیں۔ ب کو محتال لہٗ یا صرف محتال کا نام دیتے ہیں۔ حوالہ اور کفالت میں فرق یہ ہے کہ کفالت میں مطالبہ کفیل سے کیا جاتا ہے اور اصیل پر قرضہ واجب رہتا ہے اور حوالہ میں اصیل بری ہوتا ہے

(۲۰)

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ معاملاتِ قرض میں حوالہ جائز ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مالدار شخص پر حوالہ کیا جائے اُسے چاہیے کہ وہ اُسی مالدار کا پیچھا کرے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس امیر شخص پر حوالہ کیا گیا ہے ۔ اس نے اپنے ذمہ اس چیز کا التزام کر لیا ہے جس کی ادائیگی پر وہ قادر ہے ۔ تو یہ کفالت کی طرح صحیح ہوگا ۔ حوالہ کو دیون کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا گیا کہ حوالہ میں نقل اور تحویل کے معنے پائے جاتے ہیں اور تحویل صرف دین میں ممکن ہے ۔ عین میں ممکن نہیں ۔ (کیونکہ دین متعین نہیں ہوتے اس لیے محتال علیہ ان کی ادائیگی کر سکتا ہے ۔ لیکن عین متعین ہوتا ہے اُسے تو صرف وہی شخص ادا کر سکتا ہے جس کے پاس وہ عینی شئی ہو)

مسئلہ و ۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ حوالہ ، محیل ، محتال اور محتال علیہ کی باہمی رضامندی سے پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے ۔ محتال کی رضامندی اس لیے شرط ہے کہ قرض اس کا حق ہوتا ہے اور حوالہ کے ذریعے قرض ہی منتقل کیا جا رہا ہے اور ذمہ داریوں میں تفاوت پایا جاتا ہے لہٰذا اس کی رضامندی ہوگی (ممکن ہے قرض خواہ کسی ایسے شخص کا حوالہ پسند ہی نہ کرے جو لین دین میں اچھی شہرت کا حامل نہیں ۔)

محتال علیہ کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ قرض اس پر لازم آتا ہے اور جب تک کوئی شخص اپنی رضا سے اپنے ذمہ کوئی چیز لازم نہ کرے کسی چیز کا لازم ہونا ممکن نہیں ہوتا ۔

باقی رہا محیل یعنی مقروض کا معاملہ تو اس کی رضامندی کے بغیر بھی حوالہ درست ہو سکتا ہے ۔ جیسا کہ امام محمدؒ نے زیادات میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ

محتال علیہ کی طرف سے قرض کا التزام اپنی ذات میں ایک تصرّف کی حیثیت رکھتا ہے اور محتال علیہ کے ایسے التزام سے محیل کا کچھ نقصان نہیں بلکہ اس تصرف میں اس کا نفع ہی نفع ہے۔ کیونکہ جب حوالہ اس کے حکم سے نہ ہو تو محتال علیہ ادائیگی کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق دار نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ جب محتال علیہ کے قبول کر لینے سے حوالہ مکمل ہو جائے تو محیل یعنی مقروض قرض سے بَری ہو گیا۔ (اور یہی صحیح ہے)۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کفالت کی طرح حوالہ کی وجہ سے بھی مقروض بَری نہ ہوگا۔ کیونکہ حوالہ اور کفالہ میں ہر ایک ایسا عقد ہے جس سے حق کے استحکام اور پختگی کا پتا چلتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ لغت میں حوالہ نقل اور منتقل کرنے کو کہتے ہیں اور اسی سے "حَوَالَۃُ الْغِرَاس" استعمال ہوتا ہے یعنی پودے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اور قرض جب ایک شخص کے ذمے سے منتقل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن کفالت ضم اور ملانے کے معنوں میں مستعمل ہے۔ احکام شرعیہ کا اعتبار لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور حق کا استحکام اور اس کی پختگی بھی اس صورت میں موجود ہے کہ اس نے ایک امیر شخص کو (جو ادا کرنے پر قادر ہے۔) اور اچھے ادا کرنے والے کو اختیار کیا ہے۔ (یہاں ایک

سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کے قول کے مطابق قرض محیل سے منتقل ہو کر محتال علیہ پر چلا جاتا ہے حالیکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر حوالہ کے باوجود محیل خود قرض ادا کرے تو یہ ادائیگی بطور تبرّع و احسان ہوگی گویا اصل مقروض بطور احسان محتال کو ادا کر رہا ہے۔ احسان کی صورت میں محتال کو اختیار ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ محتال کو مجبور کیا جا سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ محیل پر دین باقی ہے۔ نقل والا معاملہ درست نہ ہوا۔ اس کے جواب میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) جب محیل خود ادا کرے تو محتال لہٗ کو صرف اس لیے مجبور کیا جاتا ہے کہ مطالبے کا پھر اس کی جانب لوٹ آنے کا احتمال ہوتا ہے تباہی و بربادی کی صورت میں (یعنی محتال علیہ کا مال ہی ضائع ہو جائے یا وہ دیوالیہ ہو جائے اور حق کی وصولی اس سے ممکن نہ رہے تو ایسی صورت درپیش آنے سے مطالبہ پھر محیل کی طرف لوٹ آئے گا) اسی وجہ سے محیل ادائیگی دین میں متبرّع اور محسن نہیں ہوتا (بلکہ اپنے حق کو ادا کرنے والا ہوتا ہے لہٰذا محتال علیہ کو وصول کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے)۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا: اور محتال محیل سے رجوع نہیں کرے گا سوائے اس صورت کے کہ اس کا حق ضائع ہوتا نظر آئے۔ مثلاً محیل مر جائے یا دیوالیہ ہو جائے) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی صورت میں بھی محتال محیل سے مطالبہ نہیں کرے گا اگرچہ حق ضائع ہی ہو رہا ہو کیونکہ محیل کو مطلق براءۃ حاصل ہو چکی ہے۔ لہٰذا قرض اس کی طرف عود نہیں کرے گا۔ مگر کسی جدید سبب کی وجہ سے (

ہماری دلیل یہ ہے کہ براءۃ مذکور میں اس قید کا اعتبار ہے کہ حقدار کو اس کا حق مسلّم ہو۔ اسی لیے کہ اس سے مقصود یہی ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ وصفِ سلامت کے فوت ہو جانے سے عقدِ حوالہ فسخ ہو جاتا ہے ۔کیونکہ یہ عقد قابلِ فسخ ہے ۔ (طلاق وغیرہ کی طرح ناقابلِ فسخ نہیں) تو اس کی حیثیت بیع میں سلامتی کے وصف کی طرح ہوگی (اگر بیع میں یہ وصف معدوم ہو جائے تو عقدِ بیع فسخ ہو جاتا ہے)

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا حق کا ضیاع دو باتوں میں سے ایک بات سے ہوتا ہے یا تو محتال علیہ حوالہ سے انکار کر دے اور قسم کھالے اور محیل کے پاس اس کے خلاف شہادت بھی نہ ہو یا محتال علیہ مفلس ہو کر مر جائے کیونکہ وصولِ حق سے عجز ان میں سے ہر ایک صورت میں پایا جاتا ہے اور در حقیقت یہی حق کا ضائع ہونا ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضیاعِ حق کی یہ دو وجہیں ہیں اور ایک تیسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ قاضی محتال علیہ کی زندگی میں اس کے مفلس ہونے کا فیصلہ کر دے امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک قاضی کے حکم سے افلاس متحقق نہیں ہوتا کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے۔ لیکن صاحبینؒ کو اس سے اختلاف ہے ۔ (ان کے نزدیک قاضی کے فیصلے سے افلاس متحقق ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا جب محتال علیہ محیل سے حوالہ سے ادا کردہ مال جیسے مال کا مطالبہ کرے (یعنی میں نے تمہارا قرض ادا کر دیا ہے)

اب تم مجھے ادا کرو) محیل نے کہا کہ میں نے تو اس قرض کا حوالہ کیا تھا جو کہ میری طرف سے تم پر واجب تھا تو بغیر حجت و دلیل کے اس کا قول قابلِ قبول نہ ہوگا۔ اور محیل پر دین کی مثل واجب ہوگی۔ کیونکہ محیل کے اقرار کرنے کی بناء پر رجوع کا سبب متحقق ہوگیا اور وہ محیل کے قرضہ کی ادائیگی اس کے حکم سے ہے۔ البتہ اتنی بات ہے کہ محیل محتال علیہ پر قرض کا مدعی ہے اور محتال علیہ کو اس سے انکار ہے اور منکر کی بات حلف کے ساتھ قابل تسلیم ہوتی ہے۔

اور محیل کی طرف سے حوالہ کا اقرار کرنا قرض کے اقرار کو مستلزم نہیں کیونکہ بعض اوقات حوالہ قرض کے بغیر بھی ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا جب محیل محتال سے حوالہ کردہ چیز کا مطالبہ کرے اور کہے کہ میں نے صرف اس لیے حوالہ کیا تھا کہ تو اس چیز کو میرے لیے قبضہ میں لے لے۔ لیکن محتال جواب دے کہ تو نے مجھے اس قرض کی وصولی کا حوالہ کیا تھا جو میری طرف سے تجھ پر واجب ہے۔ دریں صورت محیل کا قول قابلِ تسلیم ہوگا۔ کیونکہ محتال اس کے ذمے دین کا مدعی ہے اور وہ اس دین سے منکر ہے اور حوالہ کا لفظ گاہے گاہے وکالت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا حلف کی صورت میں محیل کا قول قابلِ اعتبار ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں فرمایا ایک شخص نے دوسرے کے پاس ہزار درہم بطورِ ودیعت رکھے اور ان درہموں کے ساتھ ایک دوسرے

شخص کو اس پر حوالہ کیا۔ تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ امین ادائے قرض پر زیادہ قادر ہے (اس لیے کہ مال بالفعل امین کے قبضہ میں موجود ہے اور وہ آسانی سے ادا کر سکتا ہے) اگر ودیعت امین کے ہاں تلف ہوگئی تو یہ ادائے قرض کی ذمہ داری سے بری ہوگا۔ کیونکہ حوالہ اسی ودیعت کے ساتھ مقید ہے اور امین نے ادائے قرض کا التزام اسی امانت کی بناء پر قبول کیا تھا۔

البتہ یہ اس صورت کے خلاف ہے کہ اگر محتال علیہ کے قبضہ میں محیل کی کوئی مغصوب شے ہو اور حوالہ کو اس شے کے ساتھ مقید کیا جائے (تو اس غصب کردہ چیز کے تلف ہونے سے محتال علیہ حوالہ کی ذمہ داری سے سبکدوش نہ ہوگا) کیونکہ کسی چیز کا تلف ہونا اس طرح کہ اس کے قائم مقام کوئی چیز ہو تو ایسا تلف، تلف نہیں ہوتا۔ (لہذا مغصوب کے تلف ہونے پر بھی حوالہ برقرار ہوگا۔)

گاہے حوالہ قرض کے ساتھ بھی مقید ہوتا ہے۔ (یعنی محتال علیہ محیل کا مقروض ہے اور محیل قرض خواہ اس پر حوالہ کر دے) ان مذکورہ تمام صورتوں میں حوالہ مقیدہ کا حکم یہ ہے کہ محیل کو محتال علیہ سے مطالبہ کا اختیار نہیں رہتا (یعنی محیل نے حوالہ کے بعد جس مال ودیعت یا غصب یا قرض کا حوالہ میں عقد کیا ہے۔ محتال علیہ سے طلب نہیں کر سکتا۔ اس واسطے کہ مال مذکور سے محتال لہٗ کا حق متعلق ہوگیا ہے جیسا کہ رہن میں ہوتا ہے (جب مال مرہون سے مرتہن کا حق متعلق ہو تو ادائے قرض سے پہلے راہن کو مطالبۂ رہن کا اختیار نہیں ہوتا) البتہ ایک فرق ضرور ہے کہ محیل کی موت کے

بعد محتال بھی دوسرے قرض خواہ کے ساتھ برابر کا شریک بن جاتا ہے۔
(لیکن رہن کی صورت میں راہن کی موت کے بعد مرتہن اکیلا ہی اس کا
حق دار ہوتا ہے)۔

اس امر (کہ حوالہ کے بعد محیل کو مطالبہ کا حق نہیں ہوتا) کی وجہ یہ ہے
کہ اگر اس مال کے ساتھ مطالبہ باقی ہو اور وہ اس سے امانت یا مغصوب
شے یا قرض واپس لے لے تو حوالہ باطل ہو جائے گا حالیکہ یہ محتال کا حق
تھا۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب حوالہ مطلق ہو (یعنی امانت، غصب
یا قرض کی کوئی قید نہ ہو تو محیل حوالہ کے بعد بھی محتال علیہ سے مطالبہ کر
سکتا ہے) کیونکہ محتال کا حق اسی مخصوص چیز سے متعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ محتال
علیہ کی ذمہ داری سے متعلق ہوتا ہے تو چیز امانت یا قرض کے طور پر محتال
علیہ کے پاس ہے اس کے وصول کر لینے سے حوالہ باطل نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ سفاتج مکروہ ہے اور وہ کسی نقدی
یا سامان کا قرض دینا جس کی وجہ سے قرض دینے والے نے راستے کے
خطرات کو دور کر دیا۔ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرض کی ایک ایسی
قسم ہے جس سے کسی نہ کسی طرح نفع اٹھایا جاتا ہے۔ حالیکہ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایسے قرض سے ممانعت فرمائی جس سے قرض دینے والے
کو کسی طرح کا نفع حاصل ہوتا ہو۔ (کیونکہ قرض سے نفع حاصل کرنا سود ہے)

[سفاتج سفتجہ کی جمع ہے۔ بمعنی مضبوطی۔ اس قرض کی صورت یہ
ہے کہ کوئی تاجر جو مثلاً اپنے علاقے سے باہر ہے کسی دوسرے تاجر کو اپنا

سامان بطور قرض دے دیتا ہے کہ اُسے میرے شہر میں فلاں شخص کے پاس پہنچا دینا۔ اس طرح قرض دینے والا تاجر راستے کے خطرات سے اپنے مال کو محفوظ کر لیتا ہے کہ اب یہ مال دوسرے تاجر کے ذمہ ہے راستے میں اس کا مال تلف بھی ہو جائے تو اسے قیمت ادا کرنا ہوگی۔ مال کی بدیں طور حفاظت و سلامتی ایک جہت سے نفع ہے اور قرض سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ کفایہ شرح ہدایہ۔

فتاویٰ صغریٰ میں مرقوم ہے کہ اگر قرض دینے میں سفتجہ شرط ہو تو حرام ہے اور قرض فاسد ہوگا۔ اگر شرط نہ ہو تو قرض جائز ہوگا۔]

واللّٰہُ تعالیٰ اَعلَمُ بالصَّوَابِ